

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والله لا يحب المتكبرين  
یعنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا

# ام الامراض

جدید ادیشن

از افادات  
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قاسم پورہ

یعنی

تیکڑی مڈ، تیکڑی علاقا اور اس کا علاج، مشائخ کے اقوال اور متقی حضرات کیلئے لمحہ فکریہ

مرتبہ

محمد اقبال مدینہ منورہ

ناشر

مکتبہ الشیخ

۳۶۷/۳، بہادر آباد کراچی ۱۹۷۷

نمبر عنوان	نمبر صفحہ
۱۷	مکتوب حضرت مجدد صاحبؒ
۱۸	تکبر کے درجات و مراتب
۱۹	فصل دوم - علامات تکبر
۳	تکبر کی بدترین خصوصیت
۲۱	بعض قرآن کی حالت - امام غزالیؒ کا مضمون
۲۲	قرآن حضرات کا مقام اور فضیلت
۲۳	ضروری تہنیت
۲۴	غیبت کرنے اور سُننے کی اجازت کی صورتیں
۲۵	فصل سوم - علاج
۲۶	تبلیغی جماعت کے ساتھ چلنا
۲۷	تواضع پیدا کرنے کی چند دیگر تدابیر
۲۸	متقی حضرات کے لئے لمحہ فکریہ
۲۹	اشکالات و جواب
۳۰	حضرت شیخ الحدیث دام مجدّم کا ارشاد
۳۱	سابقہ راویوں کے بارے میں حضرت شاہ سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات





# ضروری تمہید و مقصدِ تحریر

حَامِدًا اَوْ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا اِمَّا بَعْدَ قَطْبِ رَبَّانِي عَلَامَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ  
شعرايِ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :-

”جاننا چاہیے کہ بندہ کا اپنی حد سے تجاوز کرنے کا باعث  
یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ  
تمام صفاتِ جلالیہ تکبر، بزرگی، عزت و عظمت، شوکتِ جلالت  
سے موصوف ہے تو اس کی صورت (انسان) میں بھی یہ امور ظلی طور  
پر سرایت کئے گئے ہیں۔“ (انوارِ قدسیہ)

اس لئے ہر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی بڑائی پسند کرتا ہے اور جہالت کی  
وجہ سے اس کو اپنے لئے ثابت کرتا ہے، حالانکہ یہ صفات خاصہ خداوندی ہیں اور  
بندہ کی صفاتِ عجز و انکسار، تواضع و افتقار و احتیاج ہے جس کو وہ بھولا ہوا  
ہے، لہذا ہر انسان کو اپنا علاج اور تزکیہ کرانے سے پہلے اپنے کو اس مرضِ تکبر کا  
مریض سمجھنا چاہیے، خصوصاً جو حضرات اسلام کے ظاہری احکام کی پوری پابندی

کے بعد اللہ کی رضا اور قرب کیلئے ایمان و یقین اور معرفت و احسان کے اعلیٰ ترین  
 حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے اعمال میں رُوحِ پرہیزگار  
 اور وہ وزن دار بن جائیں اور حق تعالیٰ اُن کو اپنی معرفت بخشیں، وہ احبابِ اس  
 بات کا یقین کر لیں کہ حق جل و اعلیٰ کی بارگاہِ نہایت پاک اور ہر عیب سے غایت  
 درجہ منزہ ہے، اس لئے اس سے ملنے کا راستہ بھی پاکی اور پاکیزگی چاہئے ہے۔ مصیبتوں  
 کی گندگیوں سے بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں۔

اس راہ کا طریقہ اخلاق کا سنوارنا، ہمیشہ خدا کی طرف لو لگنے رکھنا اور  
 اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکل یہ مصروف ہو جانا ہے۔ یعنی اس کا طریقہ تہذیبِ اخلاق  
 ہے، کہ کخل، حسد، ریا، اور کبر، خود نمائی وغیرہ تمام اخلاقِ ذمیہ دور ہو کر سخاوت  
 اخلاص، تواضع، تذلل، عاجزی جملہ اخلاقِ پسندیدہ حاصل ہو جائیں کہ حصول  
 الی اللہ کی استعداد پیدا ہو، اس کے بغیر عبادت کی کثرت بھی زیادہ مفید نہیں  
 ہوتی کیونکہ رزائل کی وجہ سے اعمال ضائع اور ناقص ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ راستہ  
 (سلوکِ احسان) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس  
 راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کرنے میں پوری محنت سے کام لیتا ہے  
 اور اس کی تدبیر اس طرح کرتا ہے کہ باطنی اخلاق کی درستی جو ان کا اصل موضوع ہے  
 اس کے خلاف رزائل اور بُری عادتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کے لئے نظامِ یہ  
 یہ بناتا ہے کہ ظاہری گناہوں سے تقویٰ و پرہیز اور عبادت کی کثرت میں کوئی رکاوٹ  
 پیدا نہیں کرتا لیکن اندر ہی اندر اُمّ الامراض یعنی کبر کو بڑھا مارتا ہے، جس سے  
 سب کچھ کرا یا ضائع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں ہمہ تن  
 مشغول آدمی ایک عام دنیا دار انسان کے درجہ سے بھی گر جاتا ہے اور وہ ہند

ہونے کی بجائے باطنی رزائل کا مجموعہ بن جاتا ہے، کیونکہ مقصود تو بندگی تھی نہ کہ خدائی، اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی، ذلت، تواضع و گنہامی میں زیادہ سے زیادہ پختہ ہو۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ کبر و عجب، محبت جاہ اور شہرت پسندی میں پڑ جاتا ہے، اور ان رزالتوں میں عام دنیا دار آدمی کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ ظاہری علم و عمل کے دھوکہ میں ڈال کر شیطان لے لے ان امراض کا احسان ہی نہیں ہونے دیتا۔ اور جب کبھی معاشرت و معاملات میں اس کے چھپے ہوئے رزائل کا اظہار ہوتا ہے تو دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنے متقی بزرگ کی یہ حرکات! اسی لئے عام طور پر اولیاء اللہ کو دیکھ لے کہ ان کو اس مرض والے متقی سے قلبی طور پر بہت بُعد ہوتا ہے۔ چاہے اُن کی ظاہر شریعہ کے مطابق شکل و صورت کی بنا پر ان کا احترام بھی کرتے ہوں۔

لہذا جو سعادت مند حضرات وصول الی اللہ کی استعداد حاصل کرنے کے لئے اس راہ سلوک و معرفت کو اختیار کریں اُن کے لئے تہذیب اخلاقی ضروری ہوا۔ اس بابے میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ ”پہلے بزرگ اخلاقِ سینئہ کو ٹھہرانے کی محنتیں کیا کرتے تھے تاکہ یہ کام (وصول الی اللہ) آسان ہو جائے مگر متاخرین خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاقِ ذمیرہ ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے“ اخلاقِ سینئہ بہت سے ہیں، مگر اکثر نے دین میں لٹھوڑ کر دیا ہے، پھر دستوں کا خلاصہ بکتر کو بتایا ہے، اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

عجب کیا ہے؟ اپنے کمال کو خدا کی عطا کے بجائے خود اپنا کمال سمجھنا۔ ریا کا منشا، کینہ؟ لوگوں کی نظر میں اپنی بڑائی چاہنا۔ حُبِ جاہ کیا ہے؟ لوگوں کی تسخیر اور اُن سے اپنی تعظیم کا چاہنا۔ حُبِ مال کا منشا، بھی اپنی بڑائی کا سامان جمع کرنا ہوتا ہے۔ نفع کی باتیں بھی اکثر اپنی شان ہی کیلئے کی جاتی ہیں۔ اسی طرح غصہ کا منشا، بھی اکثر کبریٰ ہوتا ہے۔ اکثر غصہ میں کہتا ہے کہ تو جانتا نہیں میں کون ہوں، اسی لئے جب کسی سے اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہو تو اُس پر غصہ نہیں ہوتا، اگر غصہ کا اظہار نہیں ہو سکتا اور بدلہ لینے کا موقع نہیں ملتا تو اس سے دل میں نِعْض اور حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح حرص، جھوٹ، بخل، طمع، غیبت اور خوشامد وغیرہ سب کی وجہ کبریٰ ہوتی ہے۔ اس لئے اس رسالہ میں اس اُمّ الامراض کو جو کہ راہِ سلوک کا سب سے بڑا مانع اور سب سے بڑی چٹان ہے، اسی کو بیان کیا جائیگا۔ یہ ساری تحریر بزرگوں کی کتابوں سے مختصر طور پر نقل کی ہے۔ بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنا تو دشواری سے خالی نہیں ہے اور اس کے برخلاف یہ رسالہ مختصر بھی ہے اور مضمون نہایت اہم اور ضروری بھی، اس لئے ممکن ہے کہ اختصار کے سبب اس کا مطالعہ آسانی سے ہو سکے اور مرض کے احساس کے بعد اس کے علاج کی طرف متوجہ ہونا نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس احقر کو بھی اس تہلک بیماری سے نجات عطا فرمائے کہ بندہ خود اس بیماری میں دو سرے عزیزوں دوستوں سے زیادہ گرفتار ہے اور یہ رسالہ لکھنے کا اڈل مقصد اپنی اصلاح ہے اور دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ کے صدقہ میں اس کو اوروں کیلئے بھی زیادہ سے زیادہ نافع بنائے دَمَا ذِالِقَ عَلَی اللہِ بِعَزِيزِهِ

اس رسالہ میں پہلی فصل تکبیر کی مذمت، دوسری فصل میں علامات تکبیر  
تیسری فصل میں تکبیر کا علاج اور ضروری تنبیہات، اور چوتھی فصل متقی حضرات  
کے لئے لمحہ فکریہ میں۔

اس ناکارہ کا یہ رسالہ ”ام الامراض“ کے نام سے پہلے چھپ چکا ہے، اسی کو اب  
کچھ اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا  
 وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا  
 اَنَّهٗ اَنزَلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبَ  
 الَّذِیْ نَحْمَدُهٗ بِرَحْمَتِهٖ  
 الْعَظِیْمِ

(فصلِ اوّل)

## تکبر کی مذمت

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی "شریعت و طریقت" میں تحریر فرماتے ہیں کہ سائے معاہدہ میں تکبر صرف میری نگاہ ہی میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی مہلک ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم "میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت بیان فرمائی ہے، اللہ جلّ شانہ کا ارشاد ہے:-

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِی  
 الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی  
 الْاَرْضِ یَغْبِرُوْنَ اَحْیٰ  
 مِیْنَ اِیْہِ لَوَّوْنَ کُوَ اِیْہِ لَوَّوْنَ  
 کُوَ اِیْہِ لَوَّوْنَ کُوَ اِیْہِ لَوَّوْنَ  
 کُوَ اِیْہِ لَوَّوْنَ کُوَ اِیْہِ لَوَّوْنَ

کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے، وہ ایک خدا کی ذات ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے:-



اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرور و جابر کے پونے  
قلب پر مہر کر دیتے ہیں (بیان القرآن)

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ  
قَلْبٍ مِّمَّا تَشَاءُ

اور ارشاد ہے :-

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے  
والوں کو پسند نہیں کرتے (بیان القرآن)

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ  
الْمُتَكَبِّرِينَ

اور ارشاد ہے :-

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو  
پیکار و میں تمہاری درخواست قبول کروں گا  
جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دعا  
بھی داخل ہو) سرتابی ہیں وہ قریب ذلیل  
ہو کر جہنم میں داخل ہونگے (بیان القرآن)

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي  
أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ  
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ  
عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ  
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ

اور تکبر کی مذمت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم  
کا ارشاد ہے کہ ”جنت میں وہ داخل نہیں ہوگا جس کے قلب میں رائی کے  
دانے کے برابر بھی کبر ہوگا“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ  
وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت  
میری ازار ہے، تو جو کوئی شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا  
کرے گا تو اُس کو جہنم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا اور ایک حدیث میں  
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے  
دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین میں لکھدیا جاتا ہے اور جو عذاب اُن کو ہوتا ہے وہی اُس کو بھی ملتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گدن نکلے گی جس کے دوکان ہوں گے جن سے وہ سُنے گی، اور دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گی اور کہے گی کہ میں تین آدمیوں پر مسلط ہوں، ہر تکبر ضدی پر، اور ہر اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ شُرک کرتا ہو اور تصویر بنانے والے پر۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا جہنم نے کہا کہ میں ترجیح دی گئی ہوں متکبر اور جبار لوگوں کے ساتھ، او جنت نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ ترجیح دی گئی ہوں جو کمزور اور گریے پڑے اور بھولے بھالے ہوں گے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال کے وقت اپنے دو صاحبزادوں کو بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں ہر شرک اور کبر سے (الحديث)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قیامت کے دن جبارین اور متکبرین کو چوبیس ٹھیسوں کے برابر کر دیا جائے گا۔ لوگ ان کو روندتے ہوئے جائیں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بہت سی روایات اور

آثار کبریٰ بُرائی کے ذکر کئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، ان میں سے چند بطور نمونہ لکھوا تا ہوں :-

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے (ارشاد الملوک ص ۱۱۱ میں اس کو مرفوعاً نقل کیا گیا ہے) کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔

حضرت وہبؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنتِ عدن کو پیدا کیا تو اُس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو ہر سنگ پر صراحت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ اُس شخص کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتے جو اپنی ازار (لنگی وغیرہ) کو متکبرانہ گھسیٹتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص جب کہ اکڑ کر دو چادریں پہنے چل رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اُچھالنے لگا تو اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

اور حضرت مطرف بن عبد اللہ نے دیکھا کہ مہلب رضی جتہ میں اکڑ کر چل رہا تھا، انہوں نے اُس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے یہ چال (اکڑ کر چلنا) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ تو مہلب نے کہا کہ تو مجھ کو پہچانتا نہیں کہ کون ہوں؟ انہوں نے کہا کہ خوب پہچانتا ہوں۔ تیری ابتداء منی کا قطرہ تھی اور تیرا آخر مُردار ہو گا جس سے ہر شخص گھن گئے گا، اور تو ان دونوں حالتوں کے درمیان میں اپنے پیٹ میں نجاست لے پھر تلے۔ مہلب اکڑ کر چل چال چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عجب بندہ تواضع اختیار

کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بلند ہو۔ اور جب تکبر کرے اور اپنی حد سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو گرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل ہو، پھر وہ اپنی نگاہ میں تو بڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے، حتیٰ کہ لوگوں کی نگاہ میں سُور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر یہ آواز دے کہ تم میں جو سب بڑا ہو وہ باہر نکل لے تو خدا کی قسم مجھ سے کوئی لگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کو جب یہ مقولہ پہنچا تو فرمایا کہ اسی بات نے تو مالک کو مالک بنا رکھا ہے۔ (شریعت و طریقت)

تکبر کفر سے بھی اشد ہے اور قبول حق میں سب بڑا مانع ہے ہے، اس لئے کہ کفر بھی درہل کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی کثیر

آیات اس کی شاہد ہیں، مثلاً:-

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَنَا  
بِالَّذِي اٰمَنَّا بِهِ  
كُفْرًا وَّوَن ۝

تکبر کرنے والوں نے ہمارے لئے  
پر ایمان لانے ہو ہم تو قطعاً اس کے  
شکر ہیں۔

ابلیس کو اسی تکبر نے کافر اور شیطان بنایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:-  
اِنَّكَ تَكْبُرُ ۝ اِنَّكَ كَاذِبٌ وَّكَاۡنَ  
مِنَ الْكٰفِرِيۡنَ ۝

تو اے ابلیس! تو تکبر کرتا ہے۔ اے کافر اور کذاب! تو کافروں میں سے ہو گیا۔

تکبر عواریل را خوار کرد  
بزمندان لعنت گرفتار کرد

اس بدترین خصلت کی وجہ سے انسان حتیٰ بات کے قبول کرنے سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اُس کے احکام کی معرفت سے قلب اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ  
یَتَّكِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ  
یَغْبِرُوْنَ الْحَقَّ ط  
كَذٰلِكَ یَطۡعِ اللّٰهُ عَلٰی  
كُلِّ قَلۡبٍ مُّتَّكِبٍ جَبَّارٍ ۝

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ  
ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس  
کا اُن کو کوئی حق نہیں۔  
(یعنی) جتنے مغرور اور سرکش ہیں اللہ تعالیٰ  
اُن کے دلوں پر اسی طرح ٹھہر لگا دیتا ہے

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کبر کفر کا شعبہ ہے اور جن گناہوں کا تعلق کبر سے ہوتا ہے وہ شیطانی گناہ کہلاتے ہیں جن کی بڑائی حیوانی گناہوں سے بہت زیادہ ہے، اسی لئے الغیبة اشدا من الزنا فرمایا گیا۔ ان شیطانی اور جاہلی گناہوں سے توبہ کی توفیق بھی کم ہوتی ہے کیونکہ اُن کے بُرا ہونے پر التعمات نہیں ہوتا۔ اور حیوانی گناہوں کی بُرائی بہت معروف و ظاہر ہوتی ہے۔ خود گناہ کرنے والا اُس کو بُرا سمجھتا ہے، غفلت اور نفس کے فتنہ کی وجہ سے کر جاتا ہے لیکن دل سے شرمندہ ہوتا ہے اور ندامت ہی توبہ ہے، گویا توبہ کی بڑی شرط ندامت تو موجود ہی ہوتی ہے باقی شرائط یعنی گناہ سے الگ ہونا اور آئندہ کیلئے بچنے کا عزم کرنا وغیرہ شرائط پوری کئے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے۔

**تکبر کے دنیوی نقصانات** | آخرت کے معاملہ میں بے یقینی، لاپرواہی اور اس کے برعکس دنیا پر یقین اور اس کی عظمت اور محبت کی بناء پر ہم لوگوں کا حال ایسا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم امورِ آخرت کا خدا الگ اور دنیا کا خدا الگ مانتے

ہیں، مثلاً امورِ آخرت میں گناہوں سے بچنے اور نیکیاں حاصل کرنے کی پوری کوشش اور تدابیر نہیں کرتے، بلکہ جھوٹے توکل اور بخشش کی امید اور اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ مگر دنیوی امور میں توکل کے ساتھ پوری کوشش اور تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔ بغیر کوشش اور اسباب کے کامیابی کی امیدیں باندھنے کو حماقت سمجھتے ہیں۔ کسبِ حلال کو فرض کہتے ہیں۔ نقصان دہ چیز استعمال کر کے نقصان سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کو غفور الرحیم نہیں کہتے۔ ایسے آدمی پر ناراض ہو کر حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:-

”تیرا کسبِ حلال کتنا تیرا تو خون تکِ حلال ہے کہ تو شرک اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ خدا تو ایک ہی ہے اگر تکبر کرنے میں خدا کی ناراضگی ہے اور وہ متکبر کو جنت میں داخل نہیں کئے گا تو دنیا میں متکبر کو عزت نہیں دیگا۔ دنیا کی عزت بھی ہی کے دینے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ متکبر کو دنیا میں بھی پست اور رسوا کرے گا۔“

حدیثِ پاک میں ہے من تواضع لله رفعه الله یعنی جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اور عاجزی اختیار کریگا اللہ پاک اُسے بلند کر دیتے ہیں۔ یہاں صرف آخرت میں بلند کرنے کا ذکر مقصود نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی بلندی عطا فرمادیتے ہیں۔ تواضع کی ضد تکبر ہے اس لئے تکبر پر دنیا اور آخرت دونوں کی ذلت اور پستی ضروری ہے۔ چنانچہ متکبرین سے دنیا میں ہر آدمی بغض رکھتا ہے، دل سے کوئی بھی عزت نہیں کرتا۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آجائے تو لوگ بچائے، کرنے کے اور خوش ملتے ہیں۔

انفرادی اور اجتماعی نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑے کا باعث تکبر ہی ہوتا ہے، پھر اس سے غصہ اور حسد، حُبِ جاہ پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے سیکڑوں قسم کے دُنیوی نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ اگر کوئی تواضع کو صرف دُنیا کے فوائد کے لئے اختیار کرے تو اس سے دُنیوی زندگی بھی نہایت شیریں و خوشگوار بن جاتی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی رضا اور آخرت کیلئے تواضع سے متصف ہونا نصیب ہو جائے تو پھر دُنیا و آخرت دونوں ہی میں حقیقی راحت اور رفعت ہاتھ آجاتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ انسان اپنی عزت و جاہ کے لئے تکبر والے اعمال کو کرتا ہے لیکن ان اعمال اور عادتوں میں اس بدترین خصلت کا پایا جاتا ہے قطعاً مٹسوس نہیں ہوتا، اور دوسرے حضرات تو زاہم لیتے ہیں۔ اس لئے ان کی نظروں میں اور بھی ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اس عیب کے سبب حق تعالیٰ شانہ اُس سے ناراض ہیں اور مخلوق کے دل انہیں کے قبضہ میں ہیں اس لئے وہ لوگوں کو بھی اس سے ناراض کہتے ہیں۔ اور سب کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔

**تکبر کی تعریف** | اس کے معنی ہیں کمال کی صفات میں اپنے آپ کو اوروں سے بڑھ کر جاننا اور ساتھ ہی دوسروں کو حقیر و ذلیل بھی سمجھنا چنانچہ حدیثِ پاک میں کبر کی تعریف یوں ارشاد فرمائی گئی ہے: "الکبر بطر الحق و غمط الناس" یعنی کبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

لہ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال یرید الخیر من کان فی قلبہ منقال ذرۃ من کبر، فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ذوی حسناء و فضلہ حسنة؟ قال ان اللہ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق و غمط الناس۔  
(کذا فی ریاض الصالحین)

# تکبر اور تواضع کے متعلق بزرگانِ دین کے اقوال اور ان کی حکایات

**حضرت جنید بغدادی کی حکایت** | حضرت جنید بغدادی کے پاس ایک شخص بیس سال رہا، ایک روز عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا، آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے۔ فرمایا اچھا ایک بات کرو، اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جو تاملے گا اس کو ایک خروٹ دوں گا، جو دو ماکے گا تو دو دوں گا، اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی رہ جائے تو میرے پاس آؤ۔ اُس شخص نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہو گا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر شتر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدقِ دل سے پڑھ دے تو اللہ ٹوٹا ہو جائے مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طہیت ہو گیا، بائبل جانتھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہو گا دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ کیا درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا بس اس نسبت ہی کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی شان رکھی ہے۔ اس یہود خیال



کوئی نے نکال دیا اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں ان کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے اور نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے، یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے۔ کیا نفع؟ کہاں کا اجر؟ یہ پستی، حیسب، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان یہ جو اس حق تعالیٰ نے ہمیں دی رکھے ہیں پہلے ان کے شکر یہ سے تو فراغت ہو لے تو دوسرے نفع اور اجر کی توقع کریں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۲)

**اکمال اشیم ۹۵** میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعتِ قدر کے مشاہدہ کے بعد ہوگا۔ پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو متکبر ہوا۔

خلاصہ یہ کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعتِ شان یا کسی منصبِ جاہ کا دوسوہ تک بھی نہ ہو۔ سر سے پاتک اپنے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے۔ اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے گا، نہ تواضع کا اور نہ کسی صفتِ محمود کا۔ اس لئے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کیے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے، جیسے کوئی امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں کہ بیچارے بڑے منکسر مزاج ہیں حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضعِ شمرہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت

بیان کرتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کئے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً کرسی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے اور یہ خیال کئے کہ میں تو لائق اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں قدر و منزلت ہے، بلکہ متواضع وہ ہے کہ تواضع کا کام کر کے اس کام کو اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے۔ مثلاً فرش پر بیٹھے اور یہ جانے کہ میں تو لائق خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا، خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں۔ یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

**ارشادات حضرت شیخ الحدیث** | حضرت شیخ الحدیث صاحب زاد مجدہ فرماتے ہیں کہ کبیر کا مسئلہ شریعت میں بہت سخت ہے اور طریقت میں اس سے بھی زیادہ۔ اکابر کا معمول ہمیشہ دیکھا اور خوب دیکھا کہ جس کو اثناء سلوک میں خلافت کا خیال بھی آجاتا تھا وہ حضرات اس کو باوجود وصول نسبت کے خلافت دینے میں بہت پس و پیش کرتے تھے اور خلافت ملجانے کے بعد بھی کبیر کے آثار شروع ہونے پر اگر تہمید سے کام چل جاتا تو خمیر ورنہ اجازت کو منسوخ کر دیتے تھے۔ میں نے اکابر کے بعض خلفاء کو جو کہ بہت ذاکر و شافل تھے اس کبیر کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا ہے خلافت کے بعد اس سے بچنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر شیخ کی طرف سے خلافت منسوخ بھی نہ کی جائے تو سلسلہ نہیں چلتا اور ان کے مریدین بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس مہلک مرض سے نجات عطا فرمائے اور میرے

دہنتوں کو خاص طور سے اور مجملہ سالکین کو محض اپنے فضل سے بہت ہی محفوظ رکھے بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔

بکر کا معاملہ تو بڑا ہے مگر اس سے بھی بہت ہلکی چیز عجب ہے وہ بھی نہایت قابلِ احتراز ہے کیونکہ اس کے نتائج بھی بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں چنانچہ اسی عجب کی بدولت غزوہ حنین میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے باوجود صحابہ کرامؓ کو سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔ سورہ توبہ میں آدھے پارہ کے قریب تیسرے رکوع میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بیان القرآن میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حنین کے دن بھی جس کا قصہ عجیب و غریب تم کو غلبہ دیا جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرا ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور کفار کے تیر برس آنے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگی کہنے لگی، پھر آخر تم بیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مؤمنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور مرتدین کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ مرتدین کی لڑائی میں اول طلیحہ کذاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے، کچھ نکلے گئے۔ خود طلیحہ بھی بھاگ گیا، اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس کے بعد سلیمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا، ہزاروں آدمی اس جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم طلیحہ سے فغان ہو گئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی

کے ساتھ وابستہ ہے (میں نے کہہ دیا تھا) بنی حنیفہ میں ہی کیا چیز، یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نٹ چکے ہیں (یعنی طلحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت خالد خود اقرار کرتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی فوج آئی۔ اسی وجہ سے حضرات خلفائے راشدین جب کسی فوج وغیرہ کو کامیابی کی مبارکباد دیتے تھے تو بڑی تاکید اس کی فرماتے تھے کہ عجب پیدا نہ ہو۔ اعتدال ص ۱۲۱ پر اس کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔

**عجروانکساری** | اس کے بالمقابل عجزوانکساری اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور محبوب ہے جو ہمیشہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام کا شعار رہا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر مبارک ٹھجکا ہوا تھا، سراپا عجزوانکسار تھے، ایک ایک ادا سے تواضع اور عضو کا ظہور ہو رہا تھا، حالانکہ یہ اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں سب سے بڑی فتح تھی۔ اسی کا ثمرہ تھا کہ سرکش اور حدودِ جہ معاند مطیع و منافق ہوتے چلے گئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ پروردگار عالم کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ شفقت و رحمت ہیں اور بہت بڑی دولت و نعمت (ایمان) ہم کو عطا فرمائی ہے اور یہ کہ یہ اقتدار اور ملک گیری کی جنگ نہیں۔

**حضرت شیخ الحداد کا طبعی مذاق** | اسیر مانا ۱۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الحداد کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غزوات معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دنیا

اور اُمراد اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بے حد انس تھا۔ بیل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر باہر ہر طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی، سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ بہت سے میلے پھیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بناناہ وضع داری، تکلف سے طبیعت نفرت تھی۔

**حضرت نانوتوی کا مقولہ** | بارہ حضرت مولانا نانوتوی کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام الناس کا بیت الخلاء (فضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پاخانے جو خواص اور اُمراء کے لئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پاخانوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی قلعی مرغوب ہے اور وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی رُو سیاہی کی جڑ ہے، اس لئے اہل اللہ اور کاملین حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی قلعی اور اس کا تقویٰ محسوس کرتے ہیں، اس کو بڑائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسر نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہے اس کو محبوب رکھتے ہیں، ظاہری بدبو اور کثافت مادی معنوی بدبو اور کثافت رُو حانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ اُمراد کا بیت الخلاء نفس میں عجب اور رعوت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا بیت الخلاء یہ چیز پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے۔ جب پاخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے

اوضاع اطوار، مکانات، البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمائیے۔  
**فقہار نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے** | فرماتے تھے کہ  
 فقہار نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ  
 ہے کہ معتزلہ کا خلاف اور ان کی دل شکنی کی جائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے  
 حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ نفس کی اصلاح  
 اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گذرتا ہے، کیونکہ ایک ہی  
 جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے، دوسرا آتا ہے اور اس پانی کو منہ اور ناک  
 میں ڈالتا اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے، اس لئے نفس اتارہ والے اور بڑے بڑے  
 دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہمتک اور بے عرتی سمجھیں گے غالباً  
 حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں  
 استاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانو تو ی قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا شیخ الحد  
 رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی نفس کششی  
 خمول، تواضع انکساری ہوتی ہے اس کے لئے نہایت کوشاں ہوتے تھے۔ اور جن چیز  
 میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت، تعلیٰ، خودداری ہوتی تھی اُس سے کوسوں  
 دور بھلنے کی فکر کرتے تھے، پھر بھی یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری  
 جمع خرچ ہو، یوں تو ہم سبھوں کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو کترین خلائق، سگ دنیا  
 ذرہ بے مقدار، نابکار، ہنگ خلائق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ  
 سب کارروائی عامتہ منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے قلب میں اس کا  
 ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہ خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ  
 ”ہم چو من دیگرے نیست“ اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، اُن

کی نکتہ چینی، غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، گستاخ، سُور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ہم کترین خلأئی کہنے میں سچے تھے تو گدھا گستاخ وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانتے ہیں؟ آخر خلأئی تین سے تو وہ بھی نہیں فقط حضرت شیخ زاد مجدہ فرماتے ہیں کہ تکبر اتم الامراض ہے اور بڑے بڑے کو بھی گرا دیتا ہے۔ بہت سے مشائخ سلوک کو بھی اس مہلک مرض کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا۔

**شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا واقعہ** | اور شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا واقعہ کہ میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چھبھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے۔ میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے دل میں اُترا ہوا ہو۔

شیخ ابو عبد اللہ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں۔ ہزاروں خانقاہیں ان کے دُوم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد، ہزاروں مریدین۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادہ سفر تشریف لے گئے۔ ہزاروں مشائخ و علماء ہر کاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادی، حضرت شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گذر سوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، بستی میں پانی

نہ ملا، بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اُس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر ٹھبکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کا بل گذر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلی کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے۔ تیسرے دن میں نے جرات کر کے عرض کیا یا شیخ! آپ کے ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں، پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔“

حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ ”اے میرے سردار! آپ اہل عراق کے پیر و مرشد مفضل زہد و عبادت میں شہرہ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہیں اور ان سب کو سوانہ کیجئے۔“

شیخ نے فرمایا ”میرے عزیز میرا تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اٹھائی گئیں۔“ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا ”اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کلام میرے بس کا نہیں۔“

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہلکے ساتھ رو رہے تھے، یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے اُمنڈانے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ جب ہم نے واپس آکر یہ واقعات سُنائے تو شیخ کے مریدین میں کُترام



مچ گیا، چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گردگردِ خدا کے بے نیاز کی بارگاہ میں دعائیں گمنے لگے کہ اے مقلبِ القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹدے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لڑتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا، اُس گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سُورِ خیر رہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟ گاؤں والوں نے بتایا کہ اُس نے سردار کی لڑائی سے منگنی کی تھی اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سُورِ خیر نے کی خدمت پر مامور ہے۔ ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے، آنکھوں سے بیخاتہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اُس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سُورِ خیر رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کم میں زنار بندھا ہوا ہے اور اُس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیریوں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زنجیوں پر نمکپاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی آواز سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ تھے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟

شیخ نے فرمایا ”میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا وہیسا کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے

اپنے دروازہ سے دوڑ پھینک لے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹلانے والا ہے۔ اے عزیزو! بندے بے نیاز کے قہر و غضب ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ ”اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دیکھا۔ یہ کہہ کر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا ”اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر۔“

شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا ”لے ہمارے پروردگار تم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم یہ مصیبت دُور کرنے کے تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔“

خزیر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سننے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ ”شیخ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قراتوں سے پڑھا کرتے تھے، اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟“

شیخ نے کہا ”اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا، ایک تو یہ ہے: **وَمَنْ يَهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مَكْرَمٍ إِنَّ اللَّهَ يُفَعِّلُ مَا يُشَاءُ** (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے: **وَمَنْ يَتَّبِدْ لِّلْكَفْرِ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ** (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا)۔“

حضرت شبلی نے عرض کیا لے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے

برزبان یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟“  
 شیخ نے کہا ”صرف ایک حدیث یاد ہے، یعنی من بدل دینہ فاقتلوا“  
 (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو)۔

حضرت سبلی فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ میسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آنکے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور آواز بلند شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ پڑھتے جاتے ہیں۔ اُس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلا کا کوئی سبب تھا؟ تو شیخ نے فرمایا ہاں، جب ہم گاؤں میں اترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر بہارا اُگڑ رہا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موصد ہیں اور یہ کجبت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں مجھے اُسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتا دیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب تک نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔ فقط۔

مجھے اس سارے قصہ میں اخیر کا یہ مضمون لکھوانا تھا ورنہ اصل واقعہ تو آپ بیتی میں مفصل آچکے ہے اور صوفی اقبال صاحب نے اسی سے ”اکابر کے سلوک“ میں نقل کیا ہے اور حکیم الیاس نے اس واقعہ کو ”شیخ اندلس کا ایک عجیب و

عبرتناک واقعہ کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ یہ تکبر  
ایسی بُری بلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ  
ہی محض اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت عظمیٰ سے بچائے، آمین۔

**ایک کیمیا گر کا واقعہ** | حضرت شیخ الحدیث صاحب زاد مجدہ تحریر  
فرماتے ہیں کہ ایک عجیب قصہ بڑی عبرت کا میں نے اپنے والد صاحب سے سنی  
مرتبہ سنا۔ ایک بادشاہ تھا اُس کو کیمیا کی دھت تھی اور یہ تو سب ہی جانتے  
ہیں کہ جس کو کیمیا کا مرض پڑ جاتا ہے اُس کی عقل و ہوش شرطخ کے کھلاڑیوں  
سے بھی زیادہ کھو جاتی ہے۔ میں نے اپنے کئی دوستوں کو دیکھا جن کو اس کا چسکہ  
تھا جب اُن کا راستہ میں کہیں ساتھ ہو جاتا وہ قدموں پر نگاہ جملے کبھی  
ادھر کبھی ادھر دیکھتے جایا کرتے، اور جہاں کہیں شبہ ہو جاتا وہاں کھڑے ہو کر اور  
بُٹیوں کو مل مل کر سُٹو گھکتے تھے۔ بادشاہ بھی اسی فکر میں ہر وقت رہتا،  
وزراء کا نا طقہ بند رکھتا۔ ایک وزیر نے کہا کہ حضور اتنے متفکر رہتے ہیں حضور  
کی سلطنت میں تو فلاں سقہ جو فلاں جگہ رہتا ہے بڑا ماہر ہے، اسے خوب  
بنانی آتی ہے۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہنے لگا ہماری سلطنت میں اس کا  
جاننے والا ہے اور ہم لہتے پریشان ہو رہے ہیں۔ چار سنتری بھیج دیئے کہ اس سقہ  
کو پکڑ لاؤ۔ سقہ پیش ہوا۔ کپڑے پھٹے ہوئے، لنگوٹ بندھا ہوا، بدن پر بجا  
کرتے کے ایک گاڑے کی کمری بہت بھٹی ہوئی۔ بادشاہ کو اُس کی صورت  
دیکھتے ہی اول تو بہت نفرت ہوئی۔ اُس سے پوچھا کہ تجھے کیمیا آئے؟ اُس نے  
ہاتھ جوڑ کے کہا حضور تو بادشاہ سلامت ہیں، سمجھا رہی ہیں، دُنیا کے حاکم  
ہیں اگر مجھے کیمیا آتی تو میرا یہ حال ہوتا جو حضور دیکھ رہے ہیں؟ میں بھی کوئی

محل ایسا ہی بنا تا جیسا حضور کا ہے۔ بات معقول تھی، بادشاہ کی بھی سمجھ میں آگئی چھوڑ دیا اور اُس وزیر کو بلا کر ڈانٹا۔ وزیر نے قسم کھائی کہ حضور مجھے تو خوب بچر ہے اسے خوب آتی ہے۔ بادشاہ نے سلطنت کا انتظام ولی عہد کے سپرد کیا، بدن پر بھسوت ملتا کہ پہچانا نہ جائے اور اس وزیر کو ساتھ لے کر سقہ کے گھر پہنچا، جب اُس نے گھر کا نشان بتا دیا وزیر کو چلنا کر دیا۔ جبکہ الشیء یعنی وصیم چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔

جب وہ سقہ گھر سے نکلا یہ بیٹھا رہا۔ جب وہ شام کو پانی ڈالنے جانے لگا تو اُس کے ساتھ ہولیا۔ کینے لگا بڑے میاں آپ تو بڑھے ہو گئے ہیں، آپ کو تو بڑی وقت ہوگی، میں تو گھر سے فالتو ہوں، مارا مارا پھرتا ہوں، اگر آپ مجھے کچھ ٹھکانے بتا دیں تو میں ہی گھروں میں پانی ڈال آیا کروں۔ سقہ نے کہا نہیں بھائی میری تو روزی اسی میں ہے تو اپنا کام کر۔ کینے لگا بڑے میاں تم مجھے اچھے ہی بہت لگو میں تو تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، تم سے کچھ مانگنے کا نہیں، نہ مجھے روٹی چاہیے نہ اور کچھ۔ شام کو سقہ جب روٹیاں مانگ کر لیا تو بادشاہ کی بھی تواضع کی مگر اُس نے انکار کر دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں، غمزدہ ہوں، پریشان ہوں، میں تو کئی کئی دن کا فاد کرتا ہوں۔ سقہ نے بڑے اصرار سے دو چھار تھے کھلائے۔ یہاں پھر میں وہی کہوں گا کہ ایک سقہ کی غیرت نے تو گوارا نہ کیا کہ ایک آدمی اُس کا کام کرے اور وہ بغیر اُس کے روٹی کھالے؛ مگر ہم لوگوں کو اس کا بالکل یقین نہیں آتا کہ ہم اخلاص سے اللہ کا کام کریں اور وہ ہمیں بھوکا مار دے البتہ اتنا فرق ہے کہ سقہ عالم الغیب نہیں تھا اس لئے دھوکہ میں آ گیا، مالک عالم الغیب کے اُسے حقیقت حال معلوم ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ کون واقعی اخلاص سے مالک کا کام کر رہا ہے اور کون دھوکہ سے کر رہا ہے۔

غرض بادشاہ نے سقہ کی بہت ہی خدمت کی، دن بھر اس کا پانی بھرتا، رات کو جب سقہ لیٹتا تو اس کا خوب بدن دباتا۔ بہت اکتا جھان قوی، سقہ کو بھی پانچ سا دن میں وہ مزہ آیا کہ لطف ہی آگیا۔ دو تین چہینے سقہ نے خوب ٹھولا، خوشامد کی کہ کچھ کھائے کچھ پیسے مقرر کر لے۔ بادشاہ نے کہا جی میں مجھے مزدوری کرنی ہوتی تو دنیا میں بہت مزدوریاں۔ مجھے تو تم بہت ہی اچھے لگتے ہو۔ میں تو راستہ میں بیٹھ گیا تھا، تمہاری صورت مجھے بہت ہی اچھی لگی۔ اگلا شعر تو میں نے اپنے والد سے نہیں سنا مگر واقعہ کے مناسب

یاد آ گیا ہے

گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم  
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی  
دیرو حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا  
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں  
گورے کالے پر نہیں موقوف  
دل کے آنیکے طریقے نالے ہیں  
دید لیلے کے لئے دیدہ مجنوں ہے ضرور

میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

غرض بادشاہ نے وہ محبت کے جذبے دکھائے کہ سقہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بڑھاپے میں عاشق زار کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کبھی کتا آبا جی لنگی باندھ کے کپڑے دیدو میں دھولاؤں! ایسے بھائی میں تو خود دھولوں گا۔ ابی تم بڑھاپے میں کہاں تکلیف اٹھاؤ گے۔ ان میں جو ہیں ڈھونڈتا، خوب پٹڑے پر چھیت چھیت کر صاف کرتا کچھ پیسے تو ضرور ساتھ ہوں گے، بڑھے کو جھانسنہ دیکر کچھ ادھر ادھر سے کھالیتا، مگر

بڈھے کے سامنے اپنے فردِ فاقہ اور زہد کا زور دکھانا۔ چار پانچ مہینے بعد بڈھے نے کہا،  
 ”اے لونڈے مجھے کیسیا آئے۔ بادشاہ نے بھی مجھ سے پوچھا تھا میں (سخت گالی  
 دے کر) اُس کو بھی انکار کر آیا۔ تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بادشاہ کی جان میں جان تو  
 آگئی، مگر زبان سے اتنی سختی سے انکار کیا کہ کیسیا کی ایسی ٹیسی مجھے کیا کرنا ہے، مجھے  
 تو تمہاری محبت نے مار رکھا ہے۔ آٹھ دس دن تک سقہ اصرار کرتا رہا۔ بادشاہ  
 انکار کرتا رہا۔

ایک دن بڈھے نے کہا ”میں بڈھا ہو گیا، یہ (لم دلم) میری ساتھ ہی چلا  
 جائے گا، کسی اور کو تو میں بتانے کا نہیں تجھے ضرور بتاؤں گا، بھائی محبت و محبت  
 ہوتی ہے مجھے بھی تجھ سے محبت ہوگی، اگرچہ تو نے مجھے اپنا حال تو بتایا نہیں کہ کون سا  
 کہاں سے آیا؟“

”اجی کیا اپنا حال بتاؤں، لاوارثی ہوں، یوں ہی مارا مارا پھرتا ہوں، گھر بھی  
 بھول بھال گیا کہاں تھا اب تو تم ہی اپنا بیٹا بنا لو“ (غرض میں تو آدمی گدھے کو بھی باپ  
 بنا لیتا ہے یہ تو بہر حال آدمی تھا)

ایک دن صبح ہی صبح سقہ بادشاہ کو ساتھ لے کر جنگل گیا اور کچھ پھیل تیس بوتلیاں  
 اُس کو خوب دکھائیں اور اسی سے ٹروائیں اور گھر آکر اسی سے کیسیا بنوائی۔ بادشاہ  
 تو اس پر مہر ہی رہا تھا، خوب غور سے دیکھا اور رات ہی کو بھاگ گیا۔ اگلے دن سقہ  
 ہاتھ ملتا رہ گیا کہ کبخت بہت ہی دھوکہ باز تھا۔ بے ایمان یوں کہے تھا کہ مجھے تجھ کو  
 محبت ہے، انجان آدمی سے تو کبھی مُنہ نہ لگائے۔

بادشاہ نے اپنے تخت پر پہنچ کر اُن ہی سنتروں کو سقہ کے پاس بھیجا، وہ بیکڑ  
 لائے۔ بادشاہ نے پوچھا ”اے سقہ تجھے کیسیا آتی ہے؟“

سقہ نے کہا ”اجی میاں آپنے تو پہلے بھی پوچھا تھا، اگر مجھے کیمیا آتی تو میں یوں مارا مارا پھرتا؟“ مگر پانچ چھ مہینے جس نے پاؤں دبائے ہوں وہ کہاں چھپ سکے تھا۔ سقہ اُس کے منہ کو گھوڑتا رہا۔

بادشاہ نے کہا ”مجھے بھی پہچان لیا؟“

سقہ نے کہا ”میاں خوب پہچان لیا۔“

بادشاہ نے کہا ”پھر تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

سقہ نے کہا ”میاں کیمیا تو پاؤں دبائے سے آتی ہے بادشاہ بن کر نہیں

آتی۔ میاں کیمیا کے واسطے تو سقہ فنا ضروری ہے۔“

سنا کہ بادشاہ بہت ہی خوش ہوا اور اُسے بہت ہی انعام دیا۔

اگلا شعر بھی میرا سنا ہوا نہیں، میری ہی طرف سے اضافہ ہے۔

تمنا در دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھو کریں کھانے کے بعد

رنگ لاتی ہے جنا پتھر سے پس جانے کے بعد

سقہ نے بات تو بہت ہی صبح اور پتہ کی کہی ہے۔ خاکساری، تواضع اور خوشنما

سے جو ملتا ہے وہ بڑائی اور تکبر سے نہیں ملتا۔ اس قسم کے قصے تو اپنے بطن سے بہت

سن رکھے ہیں مگر سائے رسالہ میں نمونے ہی لکھوائے ہیں۔

مہیندار جان پدر گر کسی

کہ بے سعی ہرگز بجائے ری

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ محنت جفاکاری، ہستی کے بڑے قصے



سنا یا کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں بہت جزائے خیر عطا فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے من تو اضع لہ رفعہ اللہ (جو اللہ کیلئے تو اضع کرے اللہ اُس کو بلند درجے عطا فرماتے ہیں) یہاں تو تو اضع بھی اللہ کے لئے نہیں تھی عرض کے واسطے تھی مگر تو اضع اور سقہ کے پاؤں دبانے نے کیمیا سکھادی۔ اسی مناسبت سے سلوک کی مشہور کتاب ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک سے ایک فصل نقل کرتا ہوں:-

فصل نمبر ۱۲ ص ۱۱۱ :- ”جان لے کہ ذات نفس کی سیر اُس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ سالک کا نفس مطمئنہ شمع کی طرح نورانی بن جائے اور اس وقت اس کی شعاع عالم روحانی میں ہوتی ہے۔ اور سیر نفس کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس بزدگ اور باعظمت ہو جائے اور اس کی بزرگی اور عظمت سیر کی مقدار پر ہوتی ہے۔ اور سُن لینا چاہیے کہ نفس کی سیر مراقبہ اور حضور اور حق تعالیٰ کی جناب میں تذلل و تو اضع اور عبودیت و تسلیم و انقیاد پر موقوف ہے اور اس بائے میں بہتیری حدیثیں وارد ہیں انجملہ کہ شافع رحمہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کیلئے تو اضع کر لے حق تعالیٰ اُس کا مرتبہ بلند فرمادیتا ہے اور وار د ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ لے موسیٰ جلتے بھی ہو کہ کس شے کے سبب ہم نے تم کو مخلوق سے اعلیٰ اور کلیم بنایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ لے رب میں تو نہیں جانتا حکم ہوا ہم نے تم کو دیکھا تھا کہ ہماری عالی بارگاہ میں تو اضع کے ساتھ خاک پر پڑے ہوئے تھے پس اس سبب سے ہم نے تم کو سائے آدمیوں سے بالا تر بنا دیا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ قرآن انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ بنی آدم میں کوئی ایسا نہیں جس کے سر میں دو زنجیریں نہ ہوں۔ ایک زنجیر تو ساتویں آسمان میں ہے اور دوسری زمین میں کھچی ہوئی ہے۔ پس اگر ابن آدم تواضع اور عجزی کرتا ہے تو حق تعالیٰ آسمانی زنجیر کے ذریعہ سے اُس کو فلکِ سفتم سے بالا لے جاتا ہے اور اگر تکبر و غرور کرتا ہے تو زمین والی زنجیر کے واسطہ سے ساتویں زمین کے نیچے پہنچا دیتا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے ہمارے لئے تواضع کی اور مخلوق کے ساتھ نرمی اور احسان کے ساتھ گذاری اور میری زمین میں رہ کر تکبر نہیں کیا تو میں اُس کا مرتبہ بلند کرتا ہوں، یہاں تک کہ اعلیٰ علیتین پر لیجاتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس کی سیر جس کی وجہ سے انسان کا نفس نورانی ہو جاتا ہے اور مراتب عالیہ نصیب ہوتے ہیں وہ سب تکبر کو چھوڑنے اور اللہ کی جناب میں ذلت و تواضع کرنے میں ہے۔“

## مکتوب حضرت مجدد و صاحبِ قلبِ سالِ شریف ۵۲

میرے مخدوم و مکرم نفس امارہ انسانی حُب جاہ و ریاست پرک پیدا کیا گیا ہے اور مقصود ہمہ تن ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج

اور اُس کے امر و نہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج اور محکوم نہ ہو اس کا یہ دعویٰ خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت اور شرکت کا دعویٰ ہے، بلکہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، چاہتا ہے کہ حاکم صرف آپ ہی ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے "عَاذَ نَفْسِكَ فَانْهَأِ اَنْتَبِتَ بَمَا دَانِي" یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی پر کھڑے ہیں جاہ و ریاست اور بلندی و تکبر وغیرہ اس کی مرادوں کے حاصل کرنے میں نفس کی تربیت کرنا درحقیقت اس کو خدائے تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے۔ اور اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کرنی چاہیے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ "الکبرياء ردائي والعظمة ازارى فمن نازعني في شئ منها ادخلت في النار ولا ابالي" "تکبر میری چادر اور عظمت میرا کپڑا، پس جس نے ان دونوں میں سے کسی میں میرے ساتھ جھگڑا کیا میں اُس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دنیا کی دشمنی جو خدائے تعالیٰ کی ملعونہ و مغضوبہ ہے اسی باعث سے ہے کہ دنیا کا حاصل ہونا نفس کی مراد کے حاصل ہونے میں مدد دیتا ہے۔ پس جو کوئی دشمن کی مدد کرے وہ لعنت ہی کے لائق ہے اور فقر فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عاجزی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے پیدا ہونے سے مقصود اور شرعی تکلیفوں (شرعیات) کی حکمت یہی ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہو جائے۔ شرعی احکام نفسانی خواہشوں کے دفع کرنے کیلئے وارد ہوئے ہیں جس قدر شریعت کے موافق عمل کیا جائے اسی قدر نفسانی خواہش کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احکام شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کے دور کرنے میں ان

ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو اپنے پاس سے کئے جائیں کئی درجہ بہتر ہے بلکہ ایسی ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو شریعت کے موافق نہ کئے جائیں نفاذی خواہشوں مٹاؤ اور قوت دینے والے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کئی نہیں کی، لیکن ان میں کوئی فائدہ مند نہ ہوا اور ان کو نفس کی تقویت اور تربیت کے سوا کچھ حاصل ہوا، مثلاً زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم دیا جو ایک نام خرچ کرنا نفس کے خراب کرنے میں ان ہزار دیناروں کے خرچ کرنے سے بہتر اور فائدہ مند ہے جو اپنی مرضی کے موافق خرچ کئے جائیں۔ اور شریعت کے حکم سے عید الفطر کے دن کھانا کھانا خواہش کے دور کرنے میں اپنی مرضی کے موافق کئی سال روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ اور نماز صبح کی دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے کئی درجہ اس بات سے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔

## تکبر کے درجات مراتب

ایک درجہ تو یہ ہے کہ مال، اولاد، عقل و حسن وغیرہ میں خود کو داوروں سے بڑا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے، ان چیزوں میں تکبر بہت بڑی حماقت ہے اس لئے کہ ان سب چیزوں کے حقیقی مالک تو حق تعالیٰ شانہ ہیں اور بندہ کو صرف عارضی طور پر امتحان کیلئے عطا ہوئی ہیں، جب وہ چاہیں گے تو اچھین لیں گے ورنہ کچھ دن بعد تو موت یقیناً ان چیزوں کو چھڑا ہی دے گی، پھر تکبر کی گنجائش کہاں ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ گو عارضی طور پر ہیں لیکن پھر بھی تکبر کے یہ اسباب اسباب نظر تو آئیے ہیں اور

یہ حضرات صرف ان ہی چیزوں میں دوسروں سے فوقیت لیجانے کو کافی دوانی تصور کتے ہیں، حالانکہ دنیا داروں میں سے اکثر حضرات علم و عمل کی دولت میں خود کو اوروں سے کم ہی جانتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کی بڑائی کا خیال کم درجہ کا تکبر ہے، اور اسی بنا پر بوڑھے زانی اور فقیر متکبر پر حق تعالیٰ شانہ کا زیادہ غصہ وارد ہوا ہے کیونکہ ان کے پاس تو جھوٹے اسباب بھی نہیں اور اس پر بھی تکبر کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ دلی اور بزرگ بننے کی اس بنا پر جھوٹی کوشش کرے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور تقرب میں جو عزت اور بڑائی ہے اُس کو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی مانتے ہیں اور ان فقیروں کی جوتیاں اٹھانے کو فخر تصور کرتے ہیں۔ لہذا علم و عمل پر جو تکبر ہوگا وہ بھی سب سے بڑا ہوگا۔ اس میں حماقت کی بھی انتہا ہو جاتی ہے اس لئے کہ مال و اولاد وغیرہ جو دنیا داروں کی بڑائی کے اسباب ہیں وہ فی الجملہ نظر آتے ہیں اور علم و عمل کی بزرگی اور بڑائی کے اسباب تو نظر بھی نہیں آتے محض گمان ہی گمان ہے کیونکہ عمل کے قبول و عدم قبول کی تو کسی کو خبر بھی نہیں ہے یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فضل پر ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بھی اپنے عمل کو اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق قابل قبول نہیں کہہ سکتا۔ نیز قبولیت کی کسی کے پاس اطلاع بھی نہیں بلکہ جتنی کسی کو معرفت ہوگی اتنا وہ اپنے عمل کو حقیر سمجھے گا اور ڈرے گا۔ اگر کسی بطور شکر کسی کے دیے نفع کے لئے اپنے کسی عمل یا حالت کو ظاہر کرے گا تو اس کے ساتھ عجز و تواضع ہی کا اظہار ہوگا تکبر نہ ہوگا۔ اور ایک تکبر اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ تواضع کی شکل میں ہے۔ یعنی انسان خود کو تواضع کی صفت سے موصوف اور اس میں اوروں سے بڑھا ہوا سمجھے اس کو اپنے متکبر ہونے کا وہم تک نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تکبر محض سے شدید تر ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک صاحب

کے خط میں اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا  
 اوبنا زعجی من بنیا زعجی  
 پھر نیکتر کبھی صرف دل میں ہوتا ہے، یہ استکبار کہلاتا ہے۔ کبھی زبان سے  
 بھی ظاہر ہوتا ہے، اس کو فخور اور شہنی جتانے والا کہتے ہیں۔ یہ سب حرام ہیں چنانچہ  
 ارشادِ ربانی ہے:

أَبْءِ وَاسْتَكْبَرُوا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝  
 وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝



## (فصل دوم)

# علاماتِ تکبر

تکبر کی ایک نہایت بدترین خصوصیت تکبر اپنے معنی اور تعریف کی رو سے تو بالکل واضح ہے، یعنی خود کو اوروں سے اُوچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا۔ لیکن جنون کی بیماری کی طرح اس کی بھی ایک عجیب خاصیت ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جنون والا خود کو مریض نہیں جانتا بلکہ دوسروں ہی کو مجنون سمجھتا ہے اسی طرح دنیا میں کوئی تکبر خود کو تکبر نہیں سمجھتا، بلکہ جتنا کسی کے اندر یہ مرض ہوتا ہے اتنا ہی وہ اپنے سے اس کی نفی کرتا ہے اور بے فکر ہوتا ہے۔ مجنون تو عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے معذور ہوتا ہے لیکن تکبر معذور نہیں، کیونکہ یہاں مرض کا احساس نہ ہونے کی وجہ عقل کا فتور نہیں ہے بلکہ بے فکری اور بے التفاتی ہے جو معاف نہیں ہے۔ اور یہی حال موت کا بھی ہے کہ اعتقاد و یقین کے باوجود موت سے ایسی غفلت و بے فکری ہے کہ حالات بے معلوم ہوتے ہیں کہ موت محض افسانہ یا دوسروں کو آیا کرتی ہے ہمیں تو کبھی بھی نہ آئے گی، یا کم از کم فی الحال اور فوراً تو آج نہیں سکتی، برسوں کے بعد جب کبھی آئے گی اُس وقت دیکھ لیں گے، ابھی سے فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، موت ہر وقت سر پر سوار ہے۔ اس کی فکر ہر وقت رہنی چاہیے، موت کو یاد نہ کرنا ہی دل کی سختی، طولِ امل اور ساری غفلتوں کی جڑ ہے۔ اسی طرح تکبر بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ اپنے معنی اور تعریف کی رو سے بالکل واضح ہے یعنی خود کو اوروں سے اُوچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا، لیکن انسان کو اس کا احساس

قطعاً نہیں ہوتا جس کی وجہ بے فکری اور اپنی حالت پر توجہ نہ کرنا ہے۔ اور التفات کی ضرورت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ تکبر کی حقیقت ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام افعال اعمال اور افکار و خیالات کو اچھا سمجھے۔ جب اچھا ہی سمجھ رہا ہے تو فکر کی کیا ضرورت۔ جب تک علامات پر غور نہ کرے یا کوئی دوسرا دوست متنبہ نہ کرے پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ دوسروں پر تو یہ خصلت اکثر بہت جلدی ظاہر ہو جاتی ہے، جیسا کہ کوئی قصہ میں جب یہ کہتا ہے کہ تو جانتا نہیں میں کون ہوں؟ ان الفاظ سے کبر بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح آواز کے اندر بھی محسوس ہو جاتا ہے، بلکہ چال ڈھال، چہرہ کے خط و خال اور حرکات و سکنات تکبیر صاف ٹیک پڑتا ہے جس سے وہ شخص سمجھا رہا انسان کی نظروں میں تو گر ہی جاتا ہوا بتہ بے وقوفوں پر وقتی طور پر تھوڑا سا رعب پڑ جاتا ہے لیکن اس کا نلکے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اہل تواضع کا جو رعب اور وقار ہوتا ہے اس کا دل پر اثر پڑتا ہے، محبت و کشش کے ساتھ عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم سب کو چاہیے کہ اپنے کو مریض سمجھ کر علامات کبر کو غور سے پڑھ کر علاج کا فکر کریں۔ اب چند علامات لکھ کر پھر علاج عرض کیا جائے گا انشاء اللہ۔

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

(۱) کبر اور خود پسندی ایک قلبی امر ہے جس کا اثر یہ ہے کہ آدمی

کو اپنی رلے یا اعتقاد کے مقابلہ میں امر حق کو قبول کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) دوسروں کے اعتقاد و خیال، رلے و قیاس، صورت و لباس کو حقیر

سمجھنے لگتا ہے۔

(۳) شرعی ضرورت کے بغیر دوسروں کی بُرائی یا عیب و نقص کی بات بیان کرنا

ہے یا رغبت سے سنتا ہے، کبھی ظاہر میں کہہ بھی دیتا ہے کہ غیبت نہ کرو،

مجھ کو اچھی نہیں لگتی، لیکن اندر سے دل ہی چاہتا ہے کہ یہ میری بات نہ مانے



بلکہ اپنی بات سنائے جائے۔

(۴) تواضع کا کوئی کام کر کے یہ خیال کرنا کہ میں نے تواضع اختیار کی ہے یہ بھی تکبر کی علامت ہے کیونکہ متواضع کو تو اپنی تواضع کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی، یعنی یہ سوچنا کہ میں تو بڑا آدمی ہوں یہ کام میں نے تواضع اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی حیثیت سے کم درجہ کا کیا ہے، یہی تو کبر ہوا۔ اگر اندر بڑائی کا تصور نہ ہوتا تو وہ کام تواضع کا معلوم نہ ہوتا۔ جیسے کوئی غریب فقیر آدمی زمین پر بیٹھے تو اس کو کوئی متواضع نہ کہے گا، نہ وہ اپنے کو متواضع کہہ سکتا ہے لیکن اگر کوئی امیر آدمی زمین پر بیٹھے تو تواضع کا کام سمجھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اپنی بڑائی کے پیش نظر سمجھتا ہے اور یہی کبر ہے۔

(۵) اپنی شہرت کے اسباب اختیار کرنے والا اور گناہی سے بچنے والا ہر وقت عرفی وقار کی فکر رکھنے والا آدمی بھی تکبر ہے۔ اپنی اصلاح کے واسطے ایک متفکر کیلئے اپنے اندر اس علامت کو محسوس کرنا مشکل نہیں۔

(۶) اپنے ساتھ امتیازی معاملہ چاہنے والا یعنی گفتگو کرنے میں، بٹھلنے اٹھلنے میں اور دیکھ لینے دینے کے معاملات میں اگر اس کی حیثیت کے مطابق کوئی معاملہ نہیں کرتا تو اس کا دل تنگ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دل کی تنگی کی وجہ اپنی حیثیت پر نظر ہی ہے اور یہ تکبر ہی ہے۔

(۷) سب سے بڑا تکبر اور فقیری کے راستہ کا ناکام بلکہ اس راستہ کا الٹا چلنے والا وہ صوفی ہے جو اپنے متعلق مشائخ سے خلافت و اجازت کی خواہش اور امید رکھتا ہو۔

(۸) اپنی تقوٰے اور دین داری کی مجموعی حالت کے لحاظ سے غیر متوازن

طور پر چھوٹی چھوٹی جڑنی باتوں میں پاک، ناپاک، حلال، حرام کا بہت شور کرنا۔ اسی طرح فرائض کی غفلت کے باوجود مستحبات پر زور شور دکھلانا۔ چنانچہ آگماں میں لکھا ہے کہ واجبات کی ادائیگی میں سستی اور فعلی جہاد میں سارعت کرنا نفس کے اتباع کی علامت ہے۔ اسی طرح کوئی دوسرا ان کے مصلے پر پیر رکھ دے یا لوٹا استعمال کر لے تو بس وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ محض شبہ پر کسی کا کھانا حرام اور اس کے پیچھے نماز ناجائز ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی علامتیں خصوصیت کے ساتھ ان قاری حضرات میں بھی پائی جاتی ہیں جو فن میں تو مہارت ماہر کر لیتے ہیں لیکن کسی بزدگ سے اپنی اصلاح نہیں کرتے۔

**حضرت امام غزالی کا مضمون "بعض قراء کی حالت" | اس کے متعلق**  
 حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ھ کی آخری تصنیف "منہاج العابدین" میں جو قاری صاحبان کا حال لکھا ہے وہ ذرا سخت مضمون ہے اس لئے لفظ ملفظ انہی کی کتاب سے نقل کرتا ہوں تاکہ ان کے اخلاص کی برکت کے سبب سختی سے برا اثر نہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:-

"حسد، کبر وغیرہ یہ عیوب عام انسانوں میں عمومی طور پر اور قاریوں میں خصوصی طور پر پائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ عیوب بہت بُری اور بدترین صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس قاری کو بھی غور سے دیکھیں گے اس کا حال ہی نظر آئے گا کہ اُمیدیں دراز ہوں گی اور اس کو بھی نیت خیر ہی تصور کریں گے۔ اسی طرح مراتب خیر کے حاصل کرنے میں نیز دعا کے قبول ہونے میں جلدی چلنے کا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اس سے محروم رہ جائے گا۔ تم ایسے قاریوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے ہم پلہ قاریوں سے ان چیزوں پر مدد کرتے ہوئے

نظر آئیں گے جن سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو نوازا ہے، یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے اور اپنے کو ایسی برائیوں اور رسوائیوں میں ڈالیں گے جن کی جانب کوئی فاسق و فاجر تک بھی رُخ نہیں کر سکتا۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ”مجھ سے سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ قاریوں سے بچو اور مجھے ان سے محفوظ رکھو اس لئے کہ میں اگر ان کی مخالفت کروں تو ایک اتار کے بائے میں بھی مجھ سے جھگڑا شروع کر دیں گے میں کہوں گا یہ میٹھا ہے وہ کہیں گے ترش ہے جی کہ مجھ کو تو اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ مجھے ظالم بادشاہ کے پاس لجا کر اُس کے سپرد کر دیں گے۔“

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں قاریوں کی گواہی تمام مخلوق کے خلاف قبول کر لیتا ہوں لیکن ان میں سے بعض کی گواہی بعض کے خلاف قطعاً قبول نہیں کرتا اس لئے کہ میں نے اکثر قاریوں کو حاسد پایا ہے۔“

حضرت فضیلؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ قاریوں سے دور جا کر مکان خریدو، اس لئے کہ اگر مجھ سے اور جماعت سے کوئی لعزش صادر ہوگی تو یہ ہماری تدلیل کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطار فرمائی تو یہ حسد کریں گے۔ غرض قاریوں کو تو اس طرح دیکھے گا کہ انسانوں پر کبوتر کتے ہونگے رخسارے پھلانے پھونے اور چہرے بگاڑنے پھونے ہوں گے۔ انتہی کلام الامام

اس رسالہ کے اور مضامین کی طرح قرارداد کے ذکر والا مضمون بھی محض دینی خیر خواہی کا بنا پر سپردِ قلم کیا گیا ہے تاکہ تمام قراء کیلئے عموماً اور ان میں سے سلسلہ میں داخل ہونے والے حضرات کیلئے مخصوص طور پر مفید ہو اور ان تمام عیوب سے اپنے ظاہر و باطن کو بالکل مٹا و شفاف بنانے کی کوشش کریں اور دل سے دُعا کریں کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنے مقبول

بندوں والی صفات سے متصف کریں اور اپنے پسندیدہ طریقہ پر قرآن شریف کے پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ہمیں اور ہماری شاگردوں کو اس حدیث کا مصداق بنائیں۔

حامل القرآن حامل لواء  
الاسلام من اکرمہ فقد  
اکرمہ اللہ ومن اهانہ فعلیہ  
لعنة الله (مسند فردوس) {  
صاحب قرآن اسلام کا محمد ﷺ ہے جو اس کی تعظیم کریگا اللہ تعالیٰ اُس کو  
عزت دیکے گا اور جو اس کی توہین کرے گا  
اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

**قاری حضرات کا مقام** | قاریوں میں اس مرض کے زیادہ پائے جانے کی وجہ ان کی جلالتِ شان، ان کے کام کی عظمت و بزرگی ہے۔ جس جگہ بڑائی کے اسباب ہوتے ہیں وہاں اس مرض کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، کیونکہ جو بلند مقام پر فائز ہو اُس کے گمنے سے نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جس گھر میں مال ہوتا ہے اُس میں چوہوں کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں جتنا اُحسن ہوتا ہے اُس کیلئے عصمت کی حفاظت بھی اتنی ہی ضروری ہوتی ہے۔ عبادت کی کثرت کے ساتھ ریا کا اندیشہ بھی لگا ہوا ہوتا ہے، اور سخاوت کی کثرت کے ساتھ حُبِ جاہ کا خطرہ بھی لا باری اور ضروری ہے، اور اسی لئے ریا کار قاری، سخی شہید کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ ان کے لئے حکم ہوگا ادا ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں ان تینوں جہتوں کی توہین و تذلیل نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے اعمال کو زیادہ سے پاک رکھنے کا پورا اہتمام کریں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں سؤدۃ الاحزاب آیت میں ارشاد ہے:-  
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ مَنْ يَمُوتْ يَمَاتِ لِي (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں! تم میں

مِنْكَتٍ بِفَاحِشَةٍ      جو بھی کھلی نافرمانی کے گی (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ اور خراج طلب کے لئے لگے گی) حق تعالیٰ شاذ اس کو اور دوسرے دگنی سنا دیں گے۔  
 مَبِيئَةٍ لِيُضَعَّفَ لَهَا      (سورہ اعراب ۱۲۱)  
 الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ  
 دگنی سنا دیں گے۔

نیر ارشاد ہے "افمن يعلم انما انزل اليك من ربك الحق  
 كمن هو اعمن" (کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ جو قرآن آپ پر آپ کے رب کے یہاں  
 سے اترتا ہے وہ بالکل حق اور صحیح ہے کیا اس مبارک صفت سے متصف بننے والا اس کی طرح ہو سکتا  
 ہے جو بالکل اندھا ہو اور قرآن کی طرف توجہ بھی نہ کرنا ہو) نیز حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک  
 وادی ہے جس سے جہنم ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اور اس وادی میں ایک کنواں  
 ہے جس سے وہ وادی اور جہنم سات مرتبہ روزانہ پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس کنوئیں میں  
 ایک سانپ ہے جس سے دوزخ، وادی اور کنواں تینوں چیزیں ہر روز سات بار پناہ  
 چاہتی ہیں۔ قرآن والے فاسقوں اور بد عملوں کو اس میں اوروں سے پہلے ڈالا جائیگا  
 وہ عرض کریں گے اے اللہ! بت پرستوں سے بھی پہلے ہمیں اس عذاب میں ڈال دیا!  
 ارشاد ہو گا "لیس من يعلم كمن لا يعلم" جاننے والا نہ جانتے والے کے برابر  
 نہیں ہو اگر تا (تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے) نیز اگر شادی شدہ آزاد مرد و عورت  
 زنا میں مبتلا ہو جائیں تو حدیث کی رو سے ان کی سزا سنگساری ہے۔ اور غیر شادی شدہ  
 آزاد کی سزا صرف سو کوڑے ہے۔ اور غلام اور باندی کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔ ظاہر  
 ہے کہ اس سے غلام اور باندی کی آزاد پر فوقیت ثابت نہیں ہوتی نیز یہ بات بھی واضح  
 ہے کہ مسجد میں گندگی اور بدبو ڈالنا زیادہ جڑا ہے اور بازار میں ڈالنا اتنا برا نہیں اور  
 گندگی کی جگہ ڈالنے کو کوئی برا نہیں سمجھتا۔ پس بزرگانِ دین کے ارشاد میں قرآن کے لئے

خصوصی اور زیادہ تنبیہ اُن کے کامل ہونے کی بناء پر ہے اور ذیل کی حدیث بھی ان کی فضیلت پر واضح دلیل ہے اور وہ یہ ہے :-

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ -  
تم میں سے بہتر وہ ہیں جو قرآن مجید پڑھیں اور اُسے پڑھائیں۔

اور علم والے خوب جانتے ہیں کہ تجوید و قرأت کی کتب میں قرآن مجید اور قرآن و حفاظ کے فضائل کی روایات کثرت سے آئی ہیں اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت فیوضہم و مجدہم کا رسالہ "فضائل قرآن" بھی اس سلسلہ کی ایک عمد ترین کڑی ہے۔ اس بابے میں اس کا مطالعہ بھی بہت زیادہ مفید ہو گا۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ حقیقی محبوب کا کلام ہے۔ اور سچے مبعود و مطلوب کے فرمانے ہوئے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد کسی اور فضیلت کی حاجت قطعاً باقی نہیں رہتی۔ اس کو عمدگی سے اور صحت و تجوید کے ساتھ اور خوش آوازی سے پڑھنا اور اسی کو اپنا مشغلہ بنا لینا کتنی بڑی قدر و منزلت کی بات ہے چونکہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ اَنْ تَرْتِيْلًا یعنی حق تعالیٰ شانہ نے خود حکم فرمایا ہے کہ قرآن کو صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، اس لئے قرآن مجید تجوید سے پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز بھی درست نہیں ہوتی۔ اور چند افراد کا اس فن میں کامل ہمارت حاصل کرنا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنا فرض کفایہ ہے لیکن جن کے تہہ میں نبواؤ ان کو سزاؤ اشکل ہے

اس لئے قراء کو اپنے اس مرتبہ کی حفاظت پورے اہتمام سے کرنی چاہئے اور ہر وقت لڑنا و ترسنا رہیں۔ اور یہ سوچیں کہ کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جس سے یہ مرتبہ سلب ہو جائے۔ علامہ کامل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرہ رابٹ پوری فرماتے ہیں کہ حافظ کا سینہ حضورا قدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سینہ مبارک کے مشابہ ہے جس نے

قرآن نازل ہوا اور اسی میں محفوظ ہوا اس بنا پر حافظ کیلئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو کتبہ  
وریاء، شہرت، طبع، ترس وغیرہ سے پاک رکھے، کیونکہ اس میں قرآن کھنا ہوا ہے اور  
مخفوظ ہے اور حدیث میں قرآن پڑھنے والے مؤمن کی مثال اُتْرَج سے دی گئی ہے  
جو ایک خوشبو دار پھل کا نام ہے۔ شاطبیہ شعر میں ہے

وَقَارِعُهُ الْمَرْخِيُّ قَبْرَ مِثَالِهِ

كَالْأُتْرَجِ حَالِيئِهِ نَبِيحًا وَمَوْجِلًا

یعنی قرآن مجید کا پڑھنے والا اگر نیک اعمال کر کے حق تعالیٰ کا پسندیدہ بن جائے تو اس کی  
مثال حدیث پاک میں اُتْرَج کی طرح آئی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی  
عمدہ ہے۔ یعنی جس طرح خوشبو والے کے پاس بیٹھنے سے ہم نشینوں کا دماغ معطر  
ہو جاتا ہے اسی طرح قاری کے پاس بیٹھنے والے قرآن مجید شکر مالا مال ہو جاتے ہیں، اور  
جس طرح اُتْرَج کا مزہ عمدہ ہے اسی طرح مؤمن کا باطن بھی ایمان کی وجہ سے  
نورانی ہے۔ اور قرآن پاک پڑھنے والے منافق کی مثال ریحان کی طرح ہے کہ اُس کی  
خوشبو تو اچھی ہے مگر مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قاری کو چاہیے کہ اپنے  
نفس کو بُری عادتوں (بخل، حسد، تکبر، ریا، کینہ وغیرہ) سے پاک کر کے اخلاق  
حمیدہ (حسب و شکر، رضاء و توکل وغیرہ) سے مزین کئے اور اپنے ظاہر و باطن کو نورانی  
بنائے۔ عرضِ طعن اور ملامت ان قاریوں اور علماء اور دینی کارکنوں کے لئے ہے جو صرف  
علم اور فن میں مہارت حاصل کر لینے کو کافی جان کر اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کا اہتمام  
نہیں کرتے۔ نیز قرار اور علماء کی اصلاح کے لئے قرآن ہر طرح کافی دوانی ہے۔ چنانچہ  
سورہ یونس میں ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ كُورٌ لَكُمْ بَلَّغُوا لَكُمْ بَلَّغُوا لَكُمْ بَلَّغُوا لَكُمْ

مَوْعِظَةٌ مِّنَ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۗ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٦﴾

بروردگار کے یہاں سے نصیحت اور  
دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور ایمان  
والوں کیلئے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔

حدیث میں ہر کہ موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے میں صفائی اور پاکیزگی آجاتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے جو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو کہہ کر تم لوگ حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور ان کا قرب اور پیار اس سے زیادہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق تعالیٰ شانہ کی ذات مقدسہ سے نکلی ہے اور وہ قرآن ہے جس میں شریعت بھی ہے اور دل کی بیماریوں کی شفاء بھی اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف حصول کا اور ان کا پیار ابدہ بننے کا راستہ بھی بتایا ہے۔ لیکن جس طرح قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے وضو اور غسل کے ذریعہ پاکی حاصل کرنی چاہی اور اسے صحیح پڑھنے کیلئے تجوید کے ماہر استاد سے سیکھنے کی اور اس کے احکام پر عمل کرنے کیلئے فقہ و حدیث کی اور دوسرے بہت سے علوم کی اور باعزت اماموں کی رہنمائی کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن پاک سے اپنی اصلاح کرنے کیلئے بھی بزرگان دین سے تعلق پیدا کرنے کی حاجت ہے اور خود قراء اور علماء کی جماعت میں بھی بفضلہ تعالیٰ ایسے حضرات موجود ہیں جن سے اصلاحی تعلق پیدا کر کے اخلاقِ رذیلہ سے پاکیزگی اور اخلاقِ حمیدہ سے اپنے ظاہر و باطن کو سجا لینے کی نعمت حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے بعد ان کی دینی خدمت کا وزن بھی لاکھوں گنا زیادہ ہو جائے گا کیونکہ اعمال کا وزن یقین و ایمان کی قوت اور احسان کی کیفیت کے مقدار کے اندازہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ کا ایک مد (یعنی جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا) بعد میں آنے والوں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ صحابہ کا اخلاص و یقین بعد والوں کے یقین



سے بے شمار درجہ بڑھا ہوا ہے۔ نیز شیوخ فرماتے ہیں کہ "عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعتوں سے بڑھ کر ہے"۔ یہ فرق بھی احسان و اخلاص کے درجات کے تفاوت کی بنا پر ہے۔

اجازت مرحمت ہو تو ایک اور بات بھی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے جس کا یاد رکھنا قرار کے لئے بہت زیادہ مفید ہے کہ حدیث میں جو عمدہ آوازوں سے تلاوت کر نیکی شوق دلایا ہے اس خوش آوازی کی تفصیل بھی دوسری حدیث میں آئی ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ عمدہ آواز سے پڑھنے والا کون ہے؟ فرمایا کہ جب تم اُسے تلاوت کرتے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ یہ اللہ سے ڈر رہے۔

بندہ نے اپنے بزرگوں کو قرآن پاک کی تلاوت میں بکثرت روتے ہوئے بارہا دیکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی ان کی اس صفت سے اور دوسری تمام صفوں سے متصف ہونا نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

علامت ۹۔ بعضوں کی چال تو فیشن میں آکر ایسی ہو جاتی ہے جیسے لعا کبوتر کلا پنی ڈم منہ حال منہ حال کر حرکت کرتا ہے، ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں، قدم قدم پر دیکھتے جلتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا۔ غترہ کی ٹوک اور شیروانی کی کریز کا ہر وقت خیال رہتا ہے، نماز میں بھی اس کی ہر وقت فکر رہتی ہے اور بار بار ٹھیک کر کے نماز بھی خراب کھیلتے ہیں۔ تیکبر کی بعض شاخوں کا اپنے اندر معلوم کرنا آسان ہے۔ مثلاً غصہ، حسد، بغض، ریا، بدگمانی وغیرہ، کچھ علامتیں تینہ اور علاج کے بیان میں آئیں گی۔ بعینہ یہی حالت موجودہ زمانہ کے اکثر و بیشتر خطیبوں، عالموں اور مشائخ کی ہے۔ اسی فیشن کیلئے لباس کاٹخنوں سے نیچے تک پہننا اور کسی نوجوان صالح کو سنت کے شوق میں نصف ساق تک پہنچے دیکھے تو مسکرا دینا، کئی صاحبِ علم کو ایسا مسکراتے دیکھا۔ صاحبِ علم حضرات جانتے ہیں کہ یہ کتنی

سخت بات ہو سکتی ہے ظاہری گناہ کے لحاظ سے ڈارہمی کا منڈانا ایک مشت سے کم کو گناہ سے اشتہ ہے، مگر یہ مرض کبیر اکثر خشکی ڈارہمی والوں میں نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ اس ڈارہمی کو کسی وجہ سے رکھ تو لیتے ہیں یا کسی مجبوری سے منڈانا میں سے مگر ہر وقت اس کی تزئین کا فکر رہتا ہے خصوصاً راستہ چلتے اور نماز میں یہ فکر بہت سہا ہوتا ہے کہ کہیں ایک چھوٹا سا بال بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے، بار بار اس کو ہاتھ سے دیا جاتا ہے نماز میں پچاس دفعہ یہ حرکت کر کے نماز کو خراب کرنا پڑے۔

۱۱ نوافل عبادات کی مسارعت کرنا اور واجبات کی بجا آوری میں مستی کرنا مثلاً (۱) صوفیوں میں اس طرح کہ ذکر مراقبہ وغیرہ میں بہت پابندی کرنا یہاں تک کہ رات کو دیر تک وظائف میں مشغول رہ کر صبح کی نماز کے وقت سوتے رہنا یا ابیہر عبادت کے نماز پڑھ لینا۔ اپنے ذمہ قضاء نمازوں کو ادا کرنے اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے میں مستی کرنا۔ (۲) اور علماء میں اس طرح کہ وعظ، تبلیغ، تصنیف تالیف میں نام پیدا کرنے والے اعمال میں خوب کوشش کرنا اور خود اپنی اصلاح کی فکر نہ کرنا (۳) اور طلباء میں نماز روزہ، پاکی ناپاکی، بیچ و شرا کے مسائل جن کو معلوم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس کی تو پرواہ نہ کرنا، نہ تعریف کی بڑی کتب فقہ سے اُن کو سمجھنا کہ اس قسم کے طلب امین اتنی استعداد ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی تعلیم الاسلام اور ہستی زیور وغیرہ سے ان ضروری مسائل کو یاد کرنا بلکہ اکابر کی تعلیمی اور اصلاحی کتب کو محض اردو میں ہونے کی وجہ سے دیکھنا اپنی شان کے خلاف سمجھنا اور جو علوم ضروری علوم کے بعد حاصل کرنے چاہیے تھے، مثلاً منطق، فلسفہ، ادب، تاریخ وغیرہ ان میں خوب محنت کرنا، اسی طرح تجوید قرأت کے نام سے آواز بنانے کیلئے آدمی آدمی رات کو اٹھ کر گھنٹوں مشق کرنا خواہ محتاج اور صرف کی صفات و قواعد تجوید میں کسی زیادتی کرنا پڑ جائے، حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کن باتوں سے

ایمان ختم ہو جاتا ہے، کن باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ معاملات معاشرت میں میرے اوپر کیا فرائض ہیں۔ باقی رہا باطنی اخلاق، ان کی اچھائی بُرائی تو کسی پر ظاہری نہیں ہوتی، ناموس چاہئے والے کو اس کی کیا ضرورت۔ (۴) اور عوام میں خدمت خلق اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا لیکن اپنی آمدنی میں حلال حرام کی پرواہ نہ کرنا، فرض ادا کرنے کی فکر نہ کرنا، اپنے ماں باپ، بہن بھائی رحمہ کے رشتوں کی خدمت میں سستی بلکہ قطع رحمی تک کو گوارا نہ کرنا، رہنما ان سب مثالوں میں غیر اہم کاموں کو فرائض پر مقدم کرنا یا تو ناموس و شہرت کے جذبہ سے ہوتا ہے یا جہالت سے ہوتا ہے۔

عاجز علماء کی ان کے علوم و فنون کی وجہ سے شہرت ہو جاتی ہے اور وہ بڑے عالم کے نام سے مشہور ہوتے ہیں ان سے اگر کوئی نماز روزہ کا خصوصاً مسئلہ پوچھے تو خراً یاد ہو یا نہ ہو وہ ضرور اس کا جواب اپنی عقل سے بلا تکلف دے دیتے ہیں۔ ان کو یہ کہنا بہت گراں ہوتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کسی اور سے پوچھ لو آخرت کا وبال لینا سہل معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انکار کرنے میں کوئی سبکی کی بات نہ تھی۔ غلط بتانے میں جہالت، آخرت کی جواب دہی سے غفلت اور تکبر کی علامت ہے۔

## ضروری تنبیہ

ان مثالوں میں غور کرنے سے تکبر کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس طرح کا غور و فکر صرف اپنے بے میں کئے اور خود کو متکبر جان کر زندگی بھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو لیکن دوسروں کے بے میں علامات کی تلاش میں نہ رہے اور ان کو متکبر نہ سمجھے کیونکہ ابھی صورت میں یہ خود ہی اس مرض کا شکار ہو جائے گا۔ دوسروں کی

عیب بینی ایک مستقل بیماری ہے اور اس انمول نصیحت کو پوری طرح یاد رکھے جو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے شیخ شہاب الدین ہروردی نے کی تھی۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں :-

مرا پیر مانائے روشن شہاب      دو اندرز فرمود برائے آب  
یکے آں کہ بر خویش خود ہیں مباح      دگر آں کہ بر غیر بد ہیں مباح

یعنی میرے روشن ضمیر پیر شیخ شہاب الدین قدس سترہ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے مجھے دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اپنے باپے میں کبھی خود بینی میں مبتلا نہ ہونا اور خود کو اوروں سے بہتر تصور نہ کرنا اور دوسرے یہ کہ دوسروں کے باپے میں بد ہیں اور اُن کو حقیر و ذلیل سمجھنے والے نہ بننا۔ نصیحت نہایت اہم اور قدر کے لائق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں غیروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔

**تجسس یعنی لوگوں کے عیب کا تلاش کرنے اور اُن کی غیبت**

### سُننے کی اجازت کی صورتیں

۱۔ اولاد یا شاگرد یا وہ دوست جس کی اصلاح کا حق دوسرے دوست پر عائد ہوتا ہو یا مرید جس نے اپنی اصلاح کا کام صدقِ دل سے شیخ کے سپرد کر رکھا ہو پس اصلاح کی غرض سے ان کے عیبوں کی کرید کرنا اور اُن کی غیبت سُن لینا درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دل سے اُن کو حقیر و ذلیل اور خود کو اُن سے افضل تصور نہ کرے اور اس تعلق کے بغیر بلا ضرورت عیبوں کا تلاش کرنا اور غیبت کا سُننا ناجائز نہیں۔ جس

طرح کسی کا ستر دیکھنا ڈاکٹر حکیم کیلئے تو علاج کے وقت درست ہے اور ان کے سوا اولوں کے لئے حرام ہے۔ اور اگر بلا ارادہ کشف یا فراستِ عقل سے کسی کی حرکت پر تکبر کا شبہ ہو جائے تو اولاً خود نام و شرمندہ ہو اور اپنے کو عیب میں شمار کر کے استغفار کرے اور اپنے اس معلوم ہونے کو نطفی ہی سمجھے اور اس پر یقینی ہونے کا حکم نہ لکھائے لیکن اپنے اندر بدگمانی کے عیب کو یقینی تصور کرے، کیونکہ کبر پوشیدہ مرض اور قلبی امر ہے، اس کی ظاہری علامتیں اپنے حق میں تو یقینی ہیں اس لئے کہ اپنے حال کا تو غور کرنے سے پتہ چل ہی جاتا ہے لیکن دوسرے کے حق میں یہ علامتیں مشتبہ ہیں، اور وجہ یہ ہے کہ بعض میں تکبر کی صرف صورت ہوتی ہے نہ کہ اس کی حقیقت بھی، بلکہ طبعی عادت یا کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے تکبر کی طرح حرکات سرزد ہوتی ہیں۔

۱۔ خلاً بات کہتے وقت گردن یا آنکھوں کی مخصوص صورت۔

۲۔ بیٹھتے وقت گھنٹیاں باہر کونکالنا۔

۳۔ طبعی نفاست کی وجہ سے ملتھے پر شکن پڑنا۔

۴۔ آگے ہو کر ممتاز اور صاف اور عمدہ جگہ پر بیٹھنا۔

۵۔ جلد بازی کے سبب اپنا کام دوسروں کے کام سے پہلے کرنے کی کوشش کرنا۔  
۶۔ طبعی وضعکاری اور شرم کی وجہ سے بازار جلنے یا بازار سے سودا اٹھا کر لانے، عادت کے خلاف لباس پہننے میں اور ان کے علاوہ اور چیزوں میں گرائی مخصوص کرنا۔

### تنبیہ

جو باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں ان پر تکبر کا حکم لگا دینا جس میں یہ باتیں ہوں اُس کو متکبر قرار دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

۱۔ کسی کبر والے کا تکبر تو دماغ کے لئے ایسا برتاؤ ہے جس سے اس برتاؤ کرنے والے کی برائی ظاہر ہوتی ہو۔

۲۔ حق تعالیٰ شانہ کی نعمت کے اظہار کے لئے یا کسی کو نفع پہنچانے کیلئے اپنے اوپر حق تعالیٰ کے کسی انعام کا یا اپنی فضیلت کا ذکر کرے۔  
۳۔ کوئی اپنی سادگی کی بنا پر حق تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کمالات بیان کرے اور یہ خیال نہ ہو کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں بلکہ اس کے برعکس یہ سوچے کہ میری ان باتوں کو سن کر مجھے متکبر اور زیادہ کا تصور کریں گے۔

### تنبیہ ۲

چالاک اور ہوشیار متکبرین کی طرح یہ حرکت بھی نہ کرے کہ دل میں تو تکبر بھرا ہو اور تواضع اہل عاجزی کے رنگ میں یا کسی اور طریق سے اپنے کمالات کا اظہار کرے۔

### تنبیہ ۳

چونکہ تکبر پوشیدہ اور دل سے تعلق رکھنے والی برائی ہے اور یہ ظاہری عقابیا مشتبہ ہوتی ہیں اور پوری طرح واضح نہیں ہوتیں اس لئے کسی پر متکبر ہونے کا حکم لگا دینا آسان نہیں ہے، اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ تکبر زنا سے بھی شدید ترین گناہ ہے لیکن اس پر دنیا میں شرعی حد اور سزا جاری نہیں ہوتی، ہاں آخرت میں زنا سے بھی زیادہ سزائیں آئی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ (سزا کے بغیر) جنت میں نہیں جائے گا۔  
اس سے زیادہ اور کیا برائی ہوگی۔ اس لئے خود تو معمولی سے احتمال

پر بلکہ کامل احتیاط کی بنا پر عیب بینی اور بدگمانی سے پرہیز کرے  
اور اگر یہی برائیاں دوسروں میں نظر آئیں تو ان کو تکبر پر محمول  
نہ کرے۔

## فصل سوم

### علاج

تکبر کی وعیدوں اور سزاؤں میں غور کرے اور اُس کی بُرائی اور اس کے  
نقصانات کو ذہن میں پوری طرح حاضر کئے، پھر اپنے باطن میں تلاش کرے کہ  
تکبر کی کیا کیا علامتیں پائی جاتی ہیں، اور یقین کرے کہ میں بیمار ہوں اور علاج  
کا محتاج ہوں۔ تکبر کے دو علاج کلی ہیں جو بالخصوص تکبر کے اور اس کے  
علاوہ دوسرے تمام رذائل کے دور کرنے میں مشترک ہیں، اور آسان بھی ہیں اور  
کامیاب بھی۔

(۱) یہ کہ خود کو کسی محقق مبصر اور ماہر طبی کے سپرد کرنے اور ان کو تمام حالات  
کی اطلاع دیتا ہے اور ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر دل و جان سے عمل کرے۔ اس فکر و  
کوشش پر حق تعالیٰ شانہ کی رحمت و عنایت متوجہ ہوگی اور شیخ کی تربیت اور  
اُن کے فیض سے تواضع اور عاجزی پیدا ہو جائے گی۔ اور ذکر و شغل بھی جاری رکھے  
اس سے دل پر حق تعالیٰ شانہ کی عظمت ظاہر ہوگی اور اُن کی صفات کی تجلی کا مشاہدہ  
ہوگا اور اس سے بندہ کا سرکش نفس گھل جائے گا اور اس میں سے تکبر اور سرکشی کی

جرٹیں اکھڑ جائیں گی اور باطل آرزوئیں فنا ہو جائیں گی اور حقیقی تواضع اور عاجزی پیدا ہو جائے گی اور تکبر بالکل نیست و نابود ہو جائے گا اس کے لئے شیخ کی صحبت اور ان کو اپنے حالات کی اطلاع دینا اور اعتقاد و محبت کے ساتھ ان کی تجویز پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر صحبت کی نعمت نصیب نہ ہو سکے تو خط و کتابت کے ذریعہ تعلق قائم رکھے نیز شیخ کے مشورہ سے قریب رہنے والے دوستوں میں سے کسی عزیز کو اپنا نگران مقرر کر لے تاکہ وہ نازیبا حرکتوں پر ٹوکتا ہے اور اپنی اصلاح کیلئے رورہ کر اور عاجزی و زاری کے ساتھ دعا بھی کرتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اصلاح کے سلسلہ میں دو چیزیں ضروری ہیں جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے ایک اطلاع دوسری اتباع۔ ان دونوں باتوں کو خود یاد رکھیں۔ اس اصلاحی تعلق کے نتیجہ میں تعلق مع اللہ پیدا ہوگا، اللہ پاک کا عشق اور اُس کی حضوری حاصل ہوگی عشق اور حضوری کی حالت میں اپنی بڑائی اور تکبر کا کیا سوال اپنا وجود بھی عدم معلوم ہوگا، البتہ کمال تواضع کی وجہ سے اپنے پر تکبر کا شبہ ہوا کرے گا، عشق آں شعلہ است کہ چوں برافروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت“ سے

شاد ہش لے عشق خوش سوئے ما

لے طیب جملہ علتائے ما

لے دولے نخوت ناموس

لے تو افلاطون و جالینوس

## تبلیغی جماعت کے ساتھ چلے

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ وقت نکال کر اپنی اصلاح کے لئے تبلیغی جماعت کے



ساتھ سفر کے اور اس سفر میں ذکر کی پابندی رکھے اور امیر کی فرمانبرداری بھی کرے اور اُن کے کہنے سے بیان بھی کر دیا کرے لیکن تبلیغ اور نصیحت کی نیت لے نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح اور امیر کی فرمانبرداری کے ارادہ سے کرے۔ تکبر وغیرہ رذائل کی اصلاح کے جتنے اسباب ہیں وہ اس تبلیغی کام میں جمع ہیں۔ مثلاً اول اپنے محبوب ماحول اور ضروری مشاغل سے نکلنے کی قربانی کی جاتی ہے، مال کمانے کی بجائے اس راستہ میں مال اس طرح خرچ کیا جاتا ہے کہ ریاء اور جاہ کا سہمب نہیں ہوتا کہ زیادہ تر اپنے پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ صلحاء کی صحبت ملتی ہے جس میں ہر وقت آخرت کے تذکرے، موت کی یاد اور آپس میں محبت پیدا کرنے کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور اپنا بستر خود اٹھائے اٹھائے پھرنا اور اللہ کے لئے دوسرے ضعیف رفقا کی خدمت کرنا، خود کھانا پکانا، غرابائے ساتھ مل کر کھانا، خود برتن دھونا، پیدل سفر کرنا، مساجد میں زمین پر سونا، کبھی گرمی سردی، کبھی بھوک پیاس کو برداشت کرنا، کبھی سونے جاگنے کی نپٹھی وغیرہ جملہ جسمانی مجاہدے سے نفس کی قوت ٹوٹی ہے، پھر گشت میں لوگوں کی ناگوار باتیں برداشت کی جاتی ہیں، اللہ کے لئے اُن کے ساتھ تواضع اختیار کی جاتی ہے، ان کی بد اخلاقی پر صبر کیا جاتا ہے، بلکہ اُن کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں، اُن کو بات سمجھانے اور مینانے کے لئے دل سوزی کی جاتی ہے، اُن کی خوشامد کی جاتی ہے۔ تقریر و بیان کی عادت اور تجربہ نہ ہونے کے باوجود مجمع کے اندر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، مہتوں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے حقوق چھوڑنے، بڑوں کا اکرام کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ جاہ و مال کے ذکر کی بجائے اللہ کی بڑائی اور اللہ سے سب کچھ ہونے اور اپنے لاشے ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔ بُرائیوں کو دور کرنے والی حقیقی نماز پڑھنے کو سیکھنا اور عمل میں لانا ہوتا ہے۔ تلاوت و ذکر کی تسبیحات کی پابندی ہوتی ہے جس سے

دل میں نور اور نرمی پیدا ہوتی ہے، ان سب چیزوں کے فضائل کی تعلیم اور ضروری علم کا سیکھنا سیکھنا ہوتا ہے جس سے اپنی جہالت اور کوتاہی سامنے آتی ہے۔ غرض اس کام میں مجاہدہ، ذکر، نیک صحبت، تعلیم، دنیا سے یکسوئی، امیر کی اطاعت وغیرہ اصلاح نفس کے سب ضروری اجزاء شامل ہیں اور وہ سب امور ہیں جس کو اعلیٰ ایمانی و احسانی کیفیت پیدا کروانے کے لئے مشائخ سلوک طریقت سے پہلے ان کے پابند ہونے کو لازم بتایا کرتے ہیں اور وہ حضرات یہ ابتدائی معمولات انفرادی طور پر تعلیم کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت میں اس کی اجتماعی صورت ہے جس سے اپنی اصلاحات کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے آج کل امت کے عمومی بگاڑ کی حالت میں اس عمومی طریق کار کی بہت ضرورت ہے۔ جیسا کہ عام حالات میں حفظانِ صحت کے مراکز اور باقاعدہ شفا خانے کافی ہوتے ہیں لیکن کسی مرض کی واپار عام ہونے پر ان پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ محلہ محلہ گھوم کر گھر گھر پہنچ کر ٹیکے اور دواؤں کی تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس میں ماہر ڈاکٹروں کی زیر سرپرستی عوام سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ آج کل ایسی تبلیغی کام کی افادیت اور نتائج کی بنا پر علماء مشائخ اس کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں اور بل باطن مشائخ تو بشارتوں اور تائیدِ غیبی کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کام پر خصوصی توجہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کام پر اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاصہ و قبولیت کا اعلان فرماتے ہیں۔ تکبر کے علاج کے سلسلہ میں مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلوبوں کے تحت اپنی اصلاح کی نیت سے کچھ وقت لگایا ہوتا ہے ان میں تواضع کی صفت نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی تواضع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کا آدمی ہے ہاں جو کوئی دوسری اغراض کے تحت کام کرتا ہو اور اپنی اصلاح کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہی کام اس میں عجب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے کسی بھی دینی کام

اور دینی شخصیت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی دوا تقسیم کرنے والا دن رات خوب کام کر کے یہ سمجھنے لگے کہ بس کام تو میں کرتا ہوں یہ ڈاکٹر اور محکمہ صحت کے کرسیوں پر بیٹھنے والے افسران سب بیکار ہیں۔ یہ غلط تیجہ اصولوں کے ضابطے کھینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ تبلیغ، علم و ذکر کوئی بھی لائن ہو، اصولوں کے خلاف اور آداب کی رعایت نہ ہونے سے ہر جگہ غلط نتائج نکلیں گے۔

## تواضع پیدا کرنے کی چند دیگر ترکیبیں

ان میں سے جو تہہ پیر اپنے حال کے مناسب ہو اُسے خود بلا تکلف یا تکلف کے ساتھ اختیار کرے اور دوسرے ضرورت مندوں کو بھی اس پر عمل کرنے کا مشورہ دے۔ اس کوشش و محنت کے بعد حق تعالیٰ مشائخ کا فضل شامل حال ہو گا اور اصلاح کی اور صحیح راستہ پر چلنے کی صورت نکل آئے گی۔ اور بزرگوں کی چند حکایتیں بھی روح کی جائیں گی اور ان سے یہ پتہ چل جائے گا کہ ان حضرات نے اصلاح کے سلسلہ میں کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔

اول علاج کے شروع میں ہر روز وقت مقرر پر آدھ گھنٹہ یا اس سے کم سب سے یکسو اور تنہا ہو کر اپنی پیدائش اور موجودہ حالت اور انجام ان تینوں میں غور و فکر کیا کرے یعنی یہ سوچے کہ میری اہل کیا ہے، مے ناپاک پانی کے قطرہ سے بنا۔ پھر ناپاک خون سے پرورش پائی ہے اس وقت بھی آنکھ، کان، ناک اور منہ سب میں گندگی بھری ہوئی ہے۔ بلا پیٹ میں تو خالص اور بے انتہا بدبودار اور کافی مقدار میں نجاست بھری ہوئی ہے جس کو لانے ہوئے پھر رہا ہوں۔ اس میں سے اگر اندر سے ذرا بھی ہوا نکلتی ہے تو اتنی بدبودار ہوتی ہے جس سے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نفرت ہوتی ہے اور خود بھی

شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، حق تعالیٰ شانہ نے اپنی ستاری سے پردہ پوشی فرما رکھی ہے۔ نہ تو نجاست نظر آتی ہے اور نہ ہر وقت اس کی بدبو ظاہر ہوتی ہے۔ یہ سیٹ بھرنے کے بعد اس کے نکلنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جس کے لئے تہمانی میں یا لوگوں سے دور جنگل میں جانا پڑتا ہے اور آسانی کے ساتھ خارج ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رُک جائے اور بند پڑ جائے تو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ مگر نیز مرنے کے بعد ظاہر ہی ہم بھی سڑ جاتا ہے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی ستاری ہے کہ جلدی سے نہلا کر اور خوشبو لگا کر مٹی میں چھپا دینے کا حکم فرمایا ہے اگر یہ ہم دو یا تین روز پڑا ہے تو ایک مرنے کی بدبو سے پورا محسوسہ پریشان ہو جائے اور گھر چھوڑ کر باہر بھاگ جائے۔ پھر قبر میں جو حالت پیش آتی ہے وہ بھی خوب معلوم ہے کہ پیٹ پھٹ کر نجاست باہر آ جاتی ہے اور آنکھیں بھی نکل کر گر پڑتی ہیں اور آخر میں سائے گوشت کے کیرے بن جاتے ہیں اور بھیا نک اور بے انتہا نفرت کے لائق ہو کر مٹی بن جاتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے۔ یہ سوچ کر اپنی تکبر سے بھری ہوئی خصلتوں پر زبان سے بھی آہستہ آہستہ کہے کہ یہ تو تیری حقیقت ہے اور اس پر بھی دوسروں کی غیبت کرتا ہے، حسد کرتا ہے، بڑائی کے کام کرتا ہے۔ تو بہت ہی بے وقوف ہے، تو بہت نالائق اور مجرم ہے۔ اللہ کی بخشش اور رحمت کے سوا تیرا کوئی ٹھکانا نہیں اسی طرح روز آدھ گھنٹہ صرف کرے پھر وقت کم کرتا جائے۔ جب اپنی ذلت کا احتضار ہو جائے اور دل میں اس کا تصویر پوری طرح جم جائے تو یہ مرقبہ کبھی کبھی کر لیا کرے اگر اس کی بھی فرصت نہ ملے تو کم از کم بیت الخلاء ہی میں اپنی حالت میں غور کر لیا کرے کیونکہ وہاں تو کوئی اور کام نہیں ہوتا اور وہاں اس کا سوچنا اس لئے بھی آسان ہو کہ نظر بھی آ رہا ہے۔ دوسرے وقت میں یہ باتیں بھی سوچا کرے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

۱۔ یہ موجودہ غلاظت کی حالت تو غیر اختیاری ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ستاری فرما کر اس حالت کو چھپا رکھا ہے اور ظاہری جسم کو پاک اور صاف بنایا ہے لیکن اپنی حقیقت تو پوری طرح معلوم ہے پھر تکبر کا موقع کہاں ہے۔

۲۔ اس کے علاوہ باطنی اور معنوی گندگیاں جن میں تکبر اور دوسری شہوات سب ہی شامل ہیں یہ بھی ظاہری نجاست سے کسی درجہ میں کم نہیں ہیں بلکہ لاکھ درجہ بڑھ کر ہیں۔ جیسے اپنے پچھلے راستے سے نجاست کا باہر نکالنا ایک نفرت کے لائق اور شرم والا کام ہے لیکن اس کو ضروری حاجت کہتے ہیں اس لئے اس میں گناہ نہیں ہے بلکہ فراغت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ تعلقے کی حالت میں نماز بھی مکروہ ہوتی ہے اس حالت میں غور کرنے سے اپنی حقارت و ذلت واضح ہو جاتی ہے اور عجز و جبری کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ شانہ کے یہاں محبوب مرغوب ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل و الوہاب اور قبولیت و فیوض و برکات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر یہ عمل سنت کے مطابق اور عمدہ ترین نیت سے ہو تو یہ نیک کام شمار ہو کر آخرت کا ذخیرہ بن جاتا ہے لیکن باطنی گندگی کا مادہ جو اس جسم میں موجود ہے اگر اس کو پرورش کیا جائے دل ہی میں رکھے، یا قول فعل و عمل کے ذریعہ ظاہر بھی کر دیا تو انسان سخت مجرم بن کر سیکڑوں قسم کے حیوانی اور شیطانی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اپنی سب خرابیاں سوچنے سے معلوم ہو سکتی ہیں اور جن کو بھول گیا ہے وہ بھی اعمال نامہ میں تو لکھی ہوئی موجود ہیں جن پر آخرت میں رسوائی اور عذاب ہے۔ لہذا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بہت کچھ ستاری فرما رکھی ہے، ہمارا باطنی حال لوگوں کو معلوم نہیں ورنہ لوگ نفرت کریں اور کوئی قریب بھی نہ آئے۔ اس مادہ کے موجود ہونے کے پیش نظر انسان

حُسنِ خاتمہ سے پہلے کتے اور سور سے بھی بدتر ہے کیونکہ سور میں کفر کرنے کا مادہ نہیں ہے  
بٹے سے بڑے بزرگ بھی اس خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں کہ یہ مادہ کسی  
وقت پھوٹ پڑے اور خاتمہ کفر پر بوجھ لے۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہو گیا تو یقیناً کتے اور  
سور اس سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ تو قیامت کے دن مٹی ہو جائیں گے اور انسان  
ہمیشہ دَفَنِخ میں جلتا رہے گا۔ اس وقت یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود مٹی ہو جانے  
کی تہمت لگے گا "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ كُنْتُ نَزَّابًا" اور جو یہاں خود کو مشاکر مٹی میں ملا دیتا  
ہے اُس کو اللہ تعالیٰ رُفْعَت اور بِلندی عطاء فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے "من  
تواضع لله نفعه الله" جو اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ پاک اُسے  
بلند کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اپنے باطنی عیوب اور ساری عمر کے کئے ہوئے گناہوں کو سوچا  
کرے جو غور کرنے سے یاد آسکتے ہیں۔ نیز یقین کرے کہ میرے اعمال نامہ میں سب کا  
ریکارڈ موجود ہے اور ہر گناہ اپنی پوری کیفیت اور گواہوں اور وقت اور جگہ سمیت  
موجود ہے اور جن گناہوں سے توبہ کر چکا ہے معافی کی امید رکھتے ہوئے اُن کا سوچ لینا  
کافی ہے۔ اس سے شرمندگی اور ڈر پیدا ہوگا اور کبر، حسد، جھگی، غیبت وغیرہ سب  
چیزیں مٹ کر بے نام و نشان ہو جاتی ہیں، پھر عاجزی پیدا ہو کر حق تعالیٰ شانہ کی  
رحمت شامل حال ہوگی۔ یہ سب گندگیاں کھاد کا کام دیں گی اور رُفْعَت و بِلندی  
نعمیب ہونے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اسی طرح جب اپنے اعمال کی باطنی حالت میں  
غور کرے گا تو نماز اور دوسرے نیک اعمال بھی گناہ نظر آنے لگیں گے۔ مثلاً نماز کی  
باطنی حالت و کیفیت کہ اس میں اخلاص اور احسان، خشوع خضوع اور توجہ الی اللہ  
کا حکم ہے لیکن ہماری نماز سرسراہر غفلت و وساوس کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے  
کھڑے ہو کر اُن سے مخاطب ہونے میں جو حالت ہونی چاہیے کیا ہماری حالت وہی ہے

اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم ادنیٰ درجہ کے حاکم کے سامنے بھی اس طرح بے فکری اور لاپرواہی سے کھڑے نہیں ہوتے جس طرح اپنی نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ افضل العبادات کا حال ہے تو باقی عبادتوں کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح اپنی ایمانی حالت میں بھی غور و فکر کرے کہ وعدہ و وعید کی آیات و احادیث پر کس درجہ یقین ہے۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ قبر، حشر، جنت، دوزخ کے متعلق بالکل سرسری عقیدہ ہے جو کہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا، دنیوی نفع نقصان کی خبروں پر جو اثر اور عملی حالت ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اللہ و رسول کی خبروں کا اثر کچھ بھی تو نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہماری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا اور آخرت کے دو خدا الگ الگ مانتے ہیں۔ اسی طرح غور کرنے پر دل سے استغفار کرنے کی توفیق نصیب ہوگی اور اپنے نیک اعمال پر نظر نہیں ہے گی بلکہ صرف اللہ کی رحمت پر نظر ہوگی، پھر حق تعالیٰ شانہ جتنی عزت و رفعت عطا فرمائیں گے، لیکن یہ عزت حق تعالیٰ کی جناب میں تذلل اور تواضع اختیار کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے وہ اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں۔ اہل مراقبہ کے بعد صلوة التوبہ کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے اور جن ظاہری اور باطنی عیوب کا استحضار ہوا ہے ان پر خوب ندامت کے ساتھ توبہ کرے۔ بالخصوص تکبر دور کرنے کیلئے دعا کرے۔ یہ سب اشغال کم از کم چالیس دن تک کرتا ہے۔

۲۴ نمونہ کے طور پر تکبر کی جو علامتیں بیان کی ہیں اگرچہ ان سب میں تکبر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے لیکن احتمال تو ہے اور نفس کو ان میں تکبر نہ ہونے کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ نفس اور شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کا کام یہی ہے کہ ہمیشہ دھوکہ دینے کی کوشش میں لگے رہیں۔ ان عادات و

اطوار کو تکلف کے ساتھ اہتمام کر کے ضم کرے۔ مثلاً گفتگو، چال ڈھال، لباس و حرکات میں کچھ عرصہ کے لئے نفاست پسندی، طبعی نزاکت، وضع داری وغیرہ ان میں سے کسی چیز کا بھی خیال نہ کرے اور نہ کسی کے اچھا برا سمجھنے کی طرف توجہ کرے، ظاہری بیماریوں اور زخموں کے لئے بعض دفعہ ہسپتالوں میں مخصوص لباس پہنتے ہیں اور ایک وقت میں کئی طرح کی پٹیاں باندھتے ہیں اور کچھ بھی خیال نہیں کرتے اسی طرح اس مملک بیماری کے دور کرنے کے لئے کم از کم یہ کرے کہ نہایت سادہ لباس پہن لے جو اس کی حیثیت سے کم درجہ کا ہو اور یہ نہ سوچے کہ لوگ حقیر سمجھیں گے یا صورت و شکل سائلوں جیسی بن جائے گی اور لوگ تخیل کہیں گے اور طعنے دیں گے۔ یہ تدبیر علاج کے طور پر چند روز کے لئے اختیار کر لے پھر طبیعت و حیثیت کے موافق پہننا شروع کرنے۔ غرض یہ سب تدبیریں عارضی ہیں جو چند دن عمل میں لانی ہیں۔

۵۔ امیر لوگوں سے ملنا جلنا اور اُن کی صحبت ترک کر کے خواہ اس میں تسلیخ اور حاجتمندی کی مدد وغیرہ اس طرح کے منافع بھی نوت ہو جائیں۔

۶۔ غریبوں کے پاس بیٹھے، ان کی دعوت قبول کیا کرے، ان کی جانی خدمت کرے، یعنی اُن کے کام کیا کرے۔ عوام کی خدمت کرے۔

۷۔ ملازم اور بچوں کے ہوتے ہوئے گھر کا سودا سبزی، آٹا وغیرہ خود لائے اور اپنی طاقت کے موافق اُسے خود ہی اٹھائے، بلا ضرورت مزدور بھی تلاش نہ کرے بلکہ جو پیسے مزدوری میں دیتے ہیں انہیں چپکے سے خیرات کر دیا کرے۔

۸۔ عوام میں سے ہر کسی کو پہلے خود ہی سلام کیا کرے۔ اس بارہ میں تو واضح اور خدمت عوام ہی کی مفید ہے، مشائخ کی خدمت تو فخر اور بڑائی کی چیز ہے۔



۹ اپنی غیبت، بڑائی اور بہتان وغیرہ سن کر دفاع اور صفائی کی فکر نہ کرے بلکہ اپنے باطنی عیوب کے پیش نظر شکر کرے کہ میری بڑائیوں میں سے بہت تھوڑی بڑائیاں بیان ہوئی ہیں اور اس میں میرا ہی فائدہ ہے کہ گناہوں کا کچھ کفارہ ہو جائے گا۔  
 ۱۰ کسی وقت غصہ ظاہر ہو جائے تو چھوٹے سے بھی معافی مانگ لے۔  
 ۱۱ اگر کوئی اس کا حق دبا لے یا اس پر زیادتی کرے تو اپنا حق وصول کرنے کی اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔

۱۲ ہر ایک کی نصیحت اور رائے کو ماننے کیلئے تیار رہے، لیکن مشرطیہ ہے کہ نصیحت طبیعت کے خلاف ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر بالکل سمجھ نہ آئے تو کسی دوسرے سے مشورہ کر لے۔

۱۳ اگر صدقہ زکوٰۃ وغیرہ کا مستحق ہو اور لیتا بھی ہو تو اسے چپکے لینے کے بجائے اوروں کے سامنے قبول کرے اور صدقہ کے بجائے زکوٰۃ زیادہ لیا کرے کیونکہ اس میں تواضع زیادہ ہے نیز صدقہ کے دوسرے مصارف بھی بہت سے ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف بعض وقت مشکل سے ملتا ہے، اس لئے اگر لے لے تو اس میں اپنے دالے کی ایک طرح کی خدمت بھی ہے کہ اُسے فریضہ کی ادائیگی میں مدد ملتی ہو پھر اگر اپنے استعمال کیلئے زیادہ ضرورت نہ ہو تو تحفیہ طور پر صدقہ کرے کیونکہ صدقہ بھی کبر کا ایک علاج ہے۔

۱۴ موت کو کثرت سے یاد کیا کہے اور جس جگہ بھی موقع مل جائے پوری کوشش کے ساتھ میت کی تجہیز و تکفین میں شرکت کیا کرے۔ بالخصوص اپنے ہاتھ سے نہلائے اور خود قبر میں آئے۔ اگر نہلانے کا تجربہ نہ ہو تو پانی ڈلوائے یا کوئی اور خدمت بجالائے۔ اس قسم کی تدابیر میں سے وہی تدبیر مفید ہوگی اور علاج سمجھی جائیگی

جو طبیعت اور نفس پر گراں ہو اور حیثیت کے خلاف ہو۔ اور زیادہ مفید بھی کسی وقت تک ہے جب تک یہ گرائی ہے، اور عادت ہو جانے پر اثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں چھوڑ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مسلسل استعمال کے بعد دوا بھی غذا بن جاتی ہے، یعنی مفید تو ہوتی ہے لیکن دوا کی طرح زیادہ اثر نہیں کرتی۔ پس اگر مریض ان علاجوں کا پہلے ہی سے عادی ہو تو اس کو ان کے علاوہ اور دوسرے علاج اختیار کرنے ہوں گے۔ مریض کا مزاج صوفیانہ ہے اور وہ امیروں سے نہیں ملتا اور فقر اور کی خدمت کرتا ہے تو اب اس کو امیر لوگوں کی خدمت کرنی چاہیے کیونکہ اس کا تکتہ بزرگی کی لائن کا ہے۔ نیز اگر وہ تجارت اور مزدوری وغیرہ نہیں کرتا تو اس کو ضرورت نہ ہونے کے باوجود بھی تجارت و صنعت وغیرہ میں مشغول ہونا چاہیے۔ پس یہ تدبیریں مریضوں کے حالات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔

۱۵۔ تنہائی میں مذکورہ بالا مراقبہ کرے اور تکبر والوں اور تواضع والوں کے قصے بھی پڑھا کرے جس کے لئے اکابر کا تقویٰ، اکابر علماء دیوبند وغیرہ کتب بہت مفید ثابت ہوں گی۔

### ۱۶۔ علاج کے سلسلہ میں ملفوظات مولانا سعید احمد خاں صاحب

ایک حدیث میں آیا ہے ”تعدد دوا و اخشوشنوا و امشواصفاة“ پر عمل کرے۔ یعنی ”سادہ کھاؤ، موٹا پہنو اور بغیر جوتے کے چلا کرو“ اس کے علاوہ تکبر کا علاج یہ بھی ہے کہ نصف پنڈلی تک کرتا اور شلواری باندھو اور عمامہ باندھنے کی عادت ڈالو اور کپڑے کو پیوند لگائے بغیر نہ چھوڑو۔ اور کبھی سر کہ، روٹی کھجور جو کی روٹی بھی کھایا کرو۔ گدھے پر سواری بھی کیا کرو۔ یہ سب تکبر کے علاج کی نیت سے کیا کرو۔ جان انجان کو خود پہل کر کے سلام کیا کرو۔

## متقی حضرات کے لئے لمحہ فکریہ

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کو ایسے دینی ماحول میں خادمانہ تعلق نصیب فرمایا ہے جہاں تعلیم و تبلیغ، تصوف و روشی سائے ہی دینی شعبوں سے متعلق قدم جدید، خواص عوام، پختہ و خام مختلف حضرات سے واسطہ پڑتا ہے۔

اس ماحول میں جہاں باہمی محبت، خلوص، دینی خیر خواہی، دینی فضائل کے حصول کی کوشش، مال و جاہ کا ایشار، صل من قطعك کی تعمیل کے مناظر، خدمت کے مواقع پر آگے اور جاہ کے مواقع میں سب سے پیچھے رہنے بلکہ پیچھے رہنے وغیرہ کے حالات دیکھے۔ وہاں نفس و شیطان کو انہیں دینی اعمال میں اس کے برعکس ایسے جذبات بھی پیدا کرتے دیکھا کہ ان کی حرکات نے خالص دنیا داروں کو بھی مات کر دیا۔ اس پر خود اس طبقہ سے اور اس طبقہ کے قریب کے دنیا دار طبقہ سے اشکالات ہوتے رہتے ہیں ان کے جواب کو بیان کرنے کا عرصہ سے خیال تھا کیونکہ حضرت مرشدی دامت برکاتہم کی برکت سے اس شیطانی سازش کی حقیقت قلب پر تو بہت واضح تھی مگر بیان پر قدرت اور اس کی لیاقت نہیں۔ اور ناقص بیان سے بعض ناظرین کے غلط فہمی میں پڑنے کا خطرہ تھا۔

گذشتہ سال حضرت مرشدی کے ارشاد سے ایک رسالہ اکابر کا تقویٰ اور تواضع مرتب کیا اور اب "تواضع" کی ضد "تکبر" پر لکھا گیا۔ ان دونوں رسالوں کے مضامین سامنے آنے سے بیان آسان ہو گیا۔

اور یہ بھی خیال ہے کہ اگر ناظرین ان

دونوں رسالوں کو غور سے مطالعہ کے بعد اس مضمون کو دیکھیں گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوگی اور میری بات سمجھ میں آجائے گی بلکہ خود اشکال بھی تم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ اور ناظرین کو عمل کی بھی توفیق دیں۔ تفسیم کے لئے دو باتیں عرض کرتا ہوں، پھر اشکالات کے جواب عرض کروں گا۔

اول یہ کہ اس دین دار طبقہ میں شیطان کو کامیابی اس صورت سے ہوتی ہے کہ ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لئے کچھ مال کی ضرورت ہوتی ہے اور ظلم سے بچنے کے لئے اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کچھ جاہ کی بھی ضرورت ہے۔ ان ہی دونوں چیزوں یعنی مال و جاہ کا نام دیا ہے۔ اکثر لوگوں نے ان دونوں چیزوں کے حصول کے لئے ظاہری معروف دنیاوی ذرائع تجارت، ملازمت و غیرہ کو اختیار کیا اور دن رات اس میں مشغول ہوئے۔ یہ لوگ دنیا دار کہلاتے ہیں۔

چند ایک سجدہ داروں نے دنیاۓ فانی میں مشغولی کی بجائے اپنے اوقات کو امورِ آخرت میں مشغول کر دیا۔ بچپن سے آخرت ہی کے متعلق علوم حاصل کئے، بڑے ہو کر دینی خدمات میں اپنے کو وقف کر دیا، لیکن زندگی گزارنے کے لئے ان کو بھی کچھ مال و جاہ کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے بعضوں نے توکل کیا اور بعضوں نے شرعی اجازت سے اس معاملہ میں دنیا داروں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے وظائف اور تنخواہ وغیرہ کی تشکیل کی کہ یہ لوگ ان کی ضروریات کے کفیل ہو کر ان کو دینی خدمت کے لئے فارغ رکھیں۔ یہی دنیا داروں کے لئے بھی دارین کے لحاظ سے باعثِ برکت اور اجر ہوئی اور دینی خدام کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئی، کیونکہ انسانی ضرورت کی بناء پر خود شریعت نے کسبِ حلال کو عبادات کے بعد فرض قرار دیا اور ضرورت سے نائم کو مباح۔ لیکن ضرورت سے زائد جاہ کو کہ وہ اصل مقصدِ زندگی یعنی بندگی کے خلاف ہے حرام قرار

دیا۔ انسان کی حقیقی ضروریات تو تھوڑی سی جاہ اور تھوڑے سے مال کے ساتھ پوری ہو جاتی ہیں لیکن انسان کے اندر نفسانی حرص اور اپنی بڑائی و عزت کی زبردست خواہش بھی ہے جس کو پورا کرنے میں بجائے کچھ نفع کے خود انسان کو اور پورے معاشرہ کو سخت نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے شرع شریف نے نفس کے ان تقاضوں کو مذہم ٹھہرایا ہے۔ جس شخص نے باقاعدہ علاج کروا کر ان غلط و ممنوع تقاضوں کو دبایا نہیں وہ نفس کی مُرادوں کو پورا کرنے کی ضرورت کو شش کر کے۔ دنیا دار تو اپنے دنیا کے نقشوں سے یہ مقصد حاصل کرتے ہیں اور دین دار کملانے والے اپنے دینی نقشوں مثلاً علمی شہرت شاگردوں، مریدوں کی کثرت، عبادت، اوراد، مجاہدات میں نام پیدا کرنا اور تقویٰ کے امور میں شور کر کے اہتمام کرنا وغیرہ سے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ ان میں بعض کی توجہ دنیا کے ایک جزو و مال کی طرف ہے اور اکثر کی توجہ دوسرے جزو و جاہ کی طرف ہوتی ہے کہ مال کی بظرف براہ راست توجہ کرنا ان کے منصب اور شان کے خلاف ہے اور مال مادی چیز ہے اس لئے یہ عیب جلد ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن جاہ باطنی چیز ہے اور اس کی پیکر کرنے کا ہر شخص کو حق بھی نہیں۔

یہ دینی طبقہ دنیا دار عوام کا نام کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا، جاہ کا سارا منظر ہر اپنے ہی طبقہ کے لوگوں میں کرتا ہے۔ انہیں کی غیبت، عیب جوئی، تحقیر اور ان میں سے بعضوں کو گرانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ان پر اپنی بڑائی، عزت، اپنے تقویٰ اور تزکیہ کے اظہار کرنے کیلئے راستہ صاف ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والے ہمیں بڑا بنا کر رکھیں، ہماری بات مانیں، ہم پر کوئی اعتراض نہ کریں، یا تو نظامت، امارت ہمارے ہاتھ میں ہو یا ہمارا عہدہ بے شک کوئی نہ ہو لیکن قوتِ حاکم ہمارے ہاتھ میں ہو۔ اور شیطان اس بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا کہ ان قلبی شیطانی اُمر سے وہ متقی زانیوں،

شرابیوں اور چوروں سے بھی بچنے کے لئے، کیونکہ بڑائی خاصہ خداوندی ہے۔ اس کو اختیار کرنے میں خدا کا مقابلہ ہے۔ اس کا تعلق شرک و کفر سے ہے جس کو شیطان نے اختیار کیا اور مردود ہوا۔ اس لئے اس بغاوت کی لائن کے جرم کی معافی ہی نہیں۔ حدیث پاک میں ہے "لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرۃ من اکذربیعنی علی اخیہ المسلم" لیکن چونکہ نفاق کی طرح یہ پوشیدہ امر ہے اس لئے دنیا میں اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوتی، گو اس کے نتیجہ میں تکبر کو دنیا میں بھی رسوائی اور ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور چوری، زنا وغیرہ عہدانی جرائم کو تا ہی غفلت اور رذالت و پستی کی لائن کے جرم ہیں ان پر شہادت اور ان کا یقینی ثبوت مل سکتا ہے۔ شرم و ذلت اس کے ساتھ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاپے بندہ کے نقصان کی خاطر یہ حرکات پسند نہیں اُس نے اپنی رحمت سے ان چیزوں کو منع کیا اور نافرمانی پر دنیا اور آخرت میں ہاتھ کاٹنے اور پتھروں سے ہلاک کرنے کا حکم فرمایا، آخرت میں روزخ کی دعویدگستانی، لیکن ان عہد کا کے مرتکب کو اپنا قصور وار قرار دیا، اپنا باغی قرار نہیں دیا۔ جہاں ان گناہوں کا ذکر فرمایا وہاں ان سے توبہ کرنے والوں کے لئے اپنے ستار غفار ہونے کا بیان بھی فرمایا۔ اور مرتکب کے توبہ کی توفیق بھی جلد ہو جاتی ہے کہ ان گناہوں کی بڑائی بہت ظاہر اور معروف ہوتی ہے خود گناہگار اپنے افعال کو بڑا سمجھتا ہے، ڈرتا ہے، غفلت اور نفس کے غلبہ کی وجہ سے گزرتا ہے لیکن دل سے شرمندہ ہوتا ہے۔ اور ندامت ہی توبہ ہے، گویا توبہ کی بڑی شرط ندامت تو موجود ہی ہوتی ہے، باقی شرائط یعنی گناہ سے الگ ہونا، آئندہ کے لئے بچنے کا عزم کرنا وغیرہ شرائط پوری کر کے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے توبہ کر کے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ایسا قبول کرتے ہیں جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ حدیث پاک میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ سچی توبہ کرنے والوں کے

نامہ اعمال سے بھی اُن کا ذکر مٹا دیتے ہیں۔ فرشتوں کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ ان کے اعضاء اور وہ مقام جہاں یہ جرم ہوئے وہاں سے اثرات ختم کر دیتے ہیں اور اُن پر کوئی گواہ بھی باقی نہیں رکھتے۔ گناہ تو مٹا دیتے ہیں اور توبہ کرنے کا نیک عمل باقی رکھتے ہیں جس پر اس تائب کو اپنا مقرب بنا لیتے ہیں۔ اور تائب کو جب ان حرکات کا خیال آجاتا ہے تو یہ خیال تکبر اور عجب جیسے نصیحت امراض سے محفوظ رہنے کا باعث بن جاتا ہے۔ اس طرح ان سابقہ جرائم کو اس کی نیکیوں کے باغ کا کھاد بنا دیتے ہیں۔ ان میں بعض حضرات دوسرے اعمال کے ذریعہ ترقی کر کے اس مقام کے پہنچتے ہیں کہ ان سابقہ جرائم پر ندامت کی وجہ سے ان کی سینا حسانت سے بدل دی جاتی ہیں اور **اُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ**۔

ایسا بندہ ہمیشہ بندگی کی صفات یعنی ذلت و انکساری پر قائم ہو جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اُس کو اپنی طرف سے حقیقی عزت و بلندی عطا فرماتے ہیں۔ اب یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بندہ اپنی نظر میں تو پست ہوتا ہے اور اللہ کی عطا کردہ جاہ سے لوگوں میں معزز ہوتا ہے حدیث پاک میں اس حالت کے طلب کرنے کی ترغیب آئی ہے **"اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي فِي صَفِيْرًا وَّفِي اَعْيَانِ النَّاسِ كَبِيْرًا"** اور تکبر جو مخلوق کی نظر میں بڑا ہونے کی غلط کوشش کر لے وہ اپنی ہی نظر میں بڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کی نظر میں اُس کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اس مرض کے ساتھ اس کا تقویٰ طہارت و کثرتِ عبادت سب کچھ اس مرض کو بڑھانے کا ذریعہ بن کر اللہ تعالیٰ سے بَعْدُ کا سبب بنتی ہیں۔

سب سے پہلے تکبر کرنے والا جو سات لاکھ برس تک تقدس و تسبیح کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ملائکہ کا استاد تھا اُس نے ایک ہی دفعہ انا کا لفظ کالاتھا پھر دیکھ لو جو ہوا۔ حدیث پاک میں ہے کہ آدمی جنت کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اُس کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، آخر میں ایسا عمل کرتا ہے کہ دوزخ میں

ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے اعمال میں اخلاص نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی ظاہری حالت پر میری نظر نہیں ہوتی بلکہ ملکات پر ہوتی ہے۔ اسی لئے مشائخ کو دیکھا گیا کہ وہ عامی مخلص پر زیادہ متوجہ ہوتے ہیں اور جس متقی میں کبر محسوس کرتے ان سے قلبی بُعد ہوتا ہے۔

جس طرح انسان راحت پر شکر اور مصیبت پر صبر کر کے خدا سے جڑ سکتا ہے اسی طرح دونوں حالتوں کے حقوق ضائع کر کے خدا سے کٹ بھی سکتا ہے۔ ایسے ہی کبھی انسان کو پرہیزگاری کی توفیق ہوتی ہے اور کبھی اس پر گناہ مسلط ہوتا ہے لیکن قلبی حالت کے اعتبار سے کبھی پرہیزگاری خدا سے کٹنے اور گناہ خدا سے جڑنے کا باعث بن جاتا ہے چنانچہ شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری درویشی کی مشہور کتاب ”الحکم“ میں تحریر فرماتے ہیں :-

جس معصیت سے مولائے حقیقی کے سامنے ذلت اور افتقار

پیدا ہو وہ اس عبادت سے بہتر ہے جو نخوت و کبر پیدا کرے۔

شرح :- طاعات و عبادات و اذکار کا مقصود یہ ہے کہ بندگی اور اپنے مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار پیدا ہو اور نفس کی سرکشی اور کبر ٹوٹے۔ اور اگر بشریت کی راہ سے گناہ ہو جانے کے بعد یمن کے اندر ذلت و انکساری و ندامت اور اپنے نفس کی تحقیر اور اس گناہ سے اپنی ہلاکت جاننا یہ صفات پیدا ہوں اور عبادت کر کے نفس کے اندر نخوت اور مسلمانوں کی تحقیر و طعن اور اپنے کو عابد جاننا یہ صفات پیدا ہوں تو ایسی طاعت کے ثمرہ ہی اس معصیت کا نتیجہ بہتر ہو گا بلکہ اس کا مطلب کوئی بد فہم یہ نہ سمجھے کہ طاعت کو چھوڑ کر معصیت اختیار کر کے معصیت کا قبیح ہونا اور طاعت کا بہتر اور حسن ہونا بالکل ظاہر بات ہو۔

یہاں شیخ کو اس پر آگاہ کرنا منظور ہے کہ اصل مقصود بارگاہ عالی تک رسائی ہے اور اس کو حاصل کرنے کیلئے ذلت و افتقار کا حاصل کرنا اور کبر و نخوت کو دور کرنا ضروری ہے۔



گناہ اور نافرمانی کے وقت جس قدر تو علم خداوندی کا محتاج ہو  
ہے بندگی اور طاعت کرنے کے وقت اس سے زیادہ اس کے  
علم کا محتاج ہے۔

شرح :- بندہ کا کمال اور مرتبہ اور تمام عبادات کا اصلی مقصود یہ ہے کہ بندہ کی نظر ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہو جیسے بھیک منگنا سائل ہوتا ہے۔ اور بندہ کی پستی اور ہلاکت اس میں ہے کہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے عمل کو پسند کرے۔ اور اپنے فعل کو اچھا جانے اور اپنی قدر اس کے دل میں ہو۔ ایسا بندہ اللہ کی بارگاہ سے مردود ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ جو کہ مومن کی شان گناہ صادر ہو جانے کے بعد یہ ہے کہ انکسار و عاجزی، ندامت، ذلت اور اپنے نفس کی نفرت اور بارگاہِ الہی میں تضرع و زاری و توبہ پیدا ہوتی ہے، یہی صفت عین مقصود اور بندگی کا کمال ہے اور طاعت و عبادت کے بعد لباً اللہ ایسا ہوتا ہے کہ نظر اس عمل پر ہوتی ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مطیع عابد اور حق کا ادا کرنے والا اور مستحق ثواب جانتا ہے تو اس حالت میں اس کی نظر اپنے نفس پر ہوتی تو اس وقت جب تک نہیں کہ اس پر غضبِ الہی ہو اور ناراضماندی کا مورد بنے۔ پس ایسی طاعت پر یہ بندہ علم خداوندی کا گناہ کرنے کے وقت سے زیادہ محتاج ہے۔

خدا کی قسم تیرا جاہل کا ہمنشین ہونا جو اپنے نفس سے ناراض  
ہے، تیرے لئے اس عالم کی صحبت سے جو اپنے نفس سے  
راضا مند ہے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس عالم کے لئے جو اپنے  
نفس سے راضی ہے اس کا علم کیا مفید ہے اور اس جاہل  
کے لئے جو اپنے نفس سے ناراض ہے اس کا جاہل کیا مضر ہے۔

شرح :- کیونکہ عالم کی صحبت نافع اور جاہل کی مضر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اس لئے

قسم کھا کر شیخ فرماتے ہیں کہ جو شخص علوم ظاہرہ سے جاہل ہو لیکن وہ اپنے نفس سے ناراض ہے اور اس کے قلب میں اذعان اور یقین اس امر کا راسخ ہے کہ میرا نفس مجموعہ ہر تمام شرور و نقائص کا اور میں سراپا عیب نقصان ہوں۔ اور اپنی خوبی و کمال کا بھول کر بھی وہم و شبہ اس کو نہیں ہوتا تو یہ شخص کامل ہے۔ اس لئے کہ جو شخص ہر تمام طاعات کی اور کمالات کی وہ اس کو حاصل ہے تو اس کی صحبت تیرے لئے بہتر ہے، گو یا درحقیقت وہ شخص جاہل ہی نہیں۔ اور جو شخص علوم ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اس کو پسند کرتا ہو تو خواہ علمی دقائق اس کے اندر ہوں لیکن صحبت مضر ہے اس لئے کہ جو چیز ہر عیب و غفلت اور مصیبت کی جڑ ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ اور گو اس کا ظاہری علم بظاہر اس کو شریعت کا پابند بنائے ہوئے ہے لیکن اس کی حالت خطرناک ہے اور اس پر کسی طرح اطمینان نہیں ہے۔ اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی اپنا رنگ لانے بغیر نہ رہے گا۔ اور جو اس کی صحبت میں رہے گا تو چونکہ صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے اس لئے اس کے اندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہوگا کہ اپنی تحقیقاتِ علمیہ اور اپنے حال کو پسند کرے گا۔ اور یہ عین غفلت ہے۔ اور یہ مرض بہت دقیق ہے اس لئے کہ جس کے اندر ہوتا ہے اس کو خود اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے کہ اس مرض کی حقیقت ہی اپنے حال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہ اپنے رسالہ "اسرار الہک" میں فرماتے ہیں کہ "جس ماحول (جو شریعت و طریقت کا مخزن تھا) میں اس سیدہ کار کی پرورش ہوئی ہے اس میں شیطانی جرائم حیوانی جرائم سے بہت زیادہ شدید سمجھے جاتے تھے، پھر جوں جوں روایات حدیث پر نظر ہوئی یہ چیزیں دل میں جگہ ہی پکڑتی گئیں۔ حیوانی جرائم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد من قال لا الہ الا اللہ

دخل الجنة وان زنى وان سرق على رغم انف ابى ذر۔ اور شیطانی جرائم میں "لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من كبر" پہلی نوع میں ہلا سترتہ بردائک" اور دوسری میں حضرت ابو ذرؓ کے تعبیر بالام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد "انك امرؤ فیک جاهلیة" نے دوسری نوع کی نفرت دل میں اس قدر سخت کر دی کہ اس کی کراہیت جذر قلب میں بیٹھ گئی۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کا جرم پہلی نوع کا تھا۔ خود حق تعالیٰ نے کلمات توبہ القا فرما کر توبہ قبول کر لی۔ اور ابلیس کا جرم دوسری نوعیت کا تھا، "فاخرج فیہا انک یحیم وان علیک لعنۃ الیوم الذین" کا ابدی پروانہ قیامت تک کی لعنت ملا۔

۱۰ عن ابی ذر قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ ثوب ابيض وھونائم۔ لثرا تیتہ وقد استیقظ فقال ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلك الا دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق، قلت ان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق، قلت وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق علی رغم انف ابی ذر وكان ابو ذر اذا حلت بهذا قال وان رغم انف ابی ذر، متفق علیہ۔

۱۱ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے حضرت ہرال رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر چار دفعہ زنا کے بائے میں اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی قاعدہ کے مطابق انکو رجم کرنے کا حکم فرمایا لیکن حضرت ہرالؓ سے فرمایا کہ اگر تو اس کی پردہ پوشی کر لیتا تو تیرے لیے بہتر تھا۔

۱۲ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ایک شخص نے اپنے ایک غلام کو (بطور گالی اور مار دلاسنے کے) کدیا تھا "او گالی کے بیٹے" اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ لے ابو ذر تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے؟ تم لے اندر توبہ جاہلیت کی ایک خصلت ہے"

غرض مفتی حضرات کو داریں کی ترقی سعادت و عزت حاصل کرنے کے لئے شیطان فی طریق کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یعنی اپنی بڑائی کی فکر میں دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ دینا چاہیے اور جاہ کے حاصل کرنے کی اسکیموں کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ارشاد من تو اضع لہ ذلہ رفعہ اللہ کے مطابق حقیقی عزت و بلندی دیتے ہیں۔

ہمارے اکابر میں قطب العالم شیخ العربیہ رحمہ اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ صاحب لینے مرشد حضرت میا نجیو صاحب قدس سرہ کے یہاں سے فرقہ خلافت سے مشرف ہوئے تو روانگی کے وقت حضرت مرشد نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو، تسخیر یا کیمیا؟ حضرت حاجی صاحب یہ فقرہ سن کر رو پڑے اور عرض کیا کہ صرف محبوب حقیقی کی خواہش ہے، دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیے۔ مرشد نے سینہ سے لگایا دے مائیں دیں۔ پھر ان کی جو عزت و بلندی ہوئی دیندار طبقہ سے مخفی نہیں۔

حضرت میا نجیو کے دوسرے خلیفہ حضرت حافظ ضامن صاحب قدس سرہ  
 "ارواح ثلاثہ" میں ہے کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب کے پاس آتا تو فرماتا کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمد کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب ان سے پوچھ لے، اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حاجی صاحب کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہوجا، اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

اس کیفیت کے ساتھ یہ تینوں اقطاب ایک ہی جگہ بیٹھے تھے اس لئے اس وقت پناقاہ امدادیہ دکان معرفت کھلاتی تھی۔  
شیخ الاسلام حضرت مدنی حکیم الامت حضرت تھانوی | ہمیں جن بزرگوں کی

نصیب ہوئی ان میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے آپس میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو بڑھانے اور تواضع کے بارے میں معاملات حضرت مرشدی کے رسالہ "الاعتدال" کے تکملہ میں مطالعہ فرمائیں۔ پھر دونوں کو اللہ نے ایک دوسرے سے بڑھ کر عزتیں دیں۔

حضرت دہلویؒ حضرت رائے پوریؒ کے تواضع کے واقعات بھی ہم آپ نے دیکھے اور سنے اور یہ بھی دیکھا کہ اللہ پاک نے اس وقت سائے عالم میں ان کی شہرت عزت کر دی۔ حضرت مرشد پاک شیخ الحدیث صاحب امجدیم کو جب مدینہ پاک میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے خلافت و اجازت سے نوازا تو حضرت شیخ نے حضرت رائے پوریؒ کے پاؤں پکڑ لئے کہ وہ اس بات کو کسی پر ظاہر نہ کریں۔ مجاہد مظاہر علوم کی نظامت ان کے سپرد کرنے کی جب تجویز ہوئی تو حضرت نے مجوزین سے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو آپ حضرات ڈھونڈتے ہی پھریں گے کہ ذکر یا نام کا کوئی شخص تھا۔ جب مظاہر علوم کی برائے نام تنخواہ کے مقابلہ میں ایک بہت بڑی تنخواہ پر دینی کام ہی کے لئے بہت پرتزور پیش کش ہوئی تو جواب میں کارڈ پر ایک ہی فقرہ لکھ دیا کہ مجھ کو جینا ہی نہیں بندہ احساں ہو کہ

(تفصیلات کے لئے دیکھیے "آپ بیتی")

حضرت شیخ کے یہ مال بجاہ کے چھوڑنے کے واقعات بہت کثیر ہیں، ناظرین کو معلوم بھی ہیں یہاں صرف اس پہلو کی طرف متوجہ کرنے کیلئے بطور نمونہ لکھے۔ پھر اللہ پاک نے کیا کیا؟ سب کے سامنے ہے کہ دنیا ذلیل ہو کر ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور آخرت کے اعزاز کی بشارتیں اور نشان ابھی سے نمایاں ہو رہے ہیں۔

اس تحریر کو یہاں تک لکھ کر ایک دوست کو دکھایا تو انہوں نے فرمایا کہ بہت خوب

ہے، لیکن حقیقی مشقی اور متواضع حضرات ہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ جو مشقی طب  
 ہیں وہ فرمائیں گے کہ ساری باتیں ٹھیک ہیں، سب لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے  
 مگر یہ خیال نہیں آئے گا کہ ہم خود بھی مریض ہیں کیونکہ ہماری تو اصلاح ہو چکی اور اب تو ہم دوسروں  
 کی تربیت و اصلاح کرنے پر مامور اور مشغول ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ حسبِ وجہ  
 ایسی چیز ہے کہ جو صدیقین کے قلوب سے آفرین نکلتی ہے۔ آپ اپنے کو مشقی سمجھتے ہوئے بھی بیفکر  
 نہیں ہو سکتے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا  
 کرتے تھے کہ میرے اندر کوئی نفاق کی بات تو نہیں، بلکہ میرا شمار منافقوں میں تو نہیں۔  
 ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لائے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے  
 پھرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ لے امیر المؤمنین یہ کیا ہے! فرمایا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے  
 انہوں نے میری مدح کی اس سے نفس میں انبساط پیدا ہوا، اس کام میں نے یہ علاج کیا۔  
 امیر المؤمنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے کرتا پہنا وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ نے  
 اس کی آستین بالشت بھر کاٹ دی تاکہ عیب پڑ جائے اور بدناما ہو جائے۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ یہ وہ حضرات ہیں جن سے زیادہ نفس کے  
 دھوکوں سے محفوظ کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کو اتنا استہام اس مرض کا تھا اس بھروسہ  
 پر نہیں رہتے تھے کہ ہم نے نفس کو سنوار لیا ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ذرا ذکر شغل  
 کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس و شیطان کے دھوکے میں نہیں آسکتے۔ یہ حضرات  
 عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کی نسبت پورا اعتماد ہے کہ جنت میں ضرور جائیں گے  
 مگر پھر بھی یہ حالت ہے کہ تکبر سے کتنا ڈرتے تھے۔

قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے  
 جو عہد لیا گیا (بطور مکاشفہ) اُس کو پڑھ کر ہمیں اپنے آپ کو سمجھانا چاہیے، پھر اپنے

باقاعدہ علاج کی فکر کرنا چاہیے۔

عہد:- فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا کہ ہم اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان کو اپنے آپ کو کم سمجھیں اگرچہ وہ مسلمان بد حالی میں کیسا ہی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ مگر ہم اپنے نفس کو اس سو کم ہی سمجھیں۔ تمام سلف صالحین کا مذاق یہی تھا، رضی اللہ عنہم جیسے وہیب بن منیبؓ، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ اور حسن بصریؓ اور سفیان ثوریؓ، فضیل بن عیاضؓ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اُس وقت تک متواضع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گھر کو نکل کر ٹوٹنے تک کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اور بندے کی طرف عبدیت کا کوئی درجہ اس وقت تک منسوب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام طاعات کو ریا اور تمام حالات و کیفیات کو جھوٹے دعوے نہ سمجھے۔ اور میں نے سیدی علی خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تکبر اور رعونت والوں میں سے جو کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا نفس اس کے پاس بیٹھنے والے سے کمتر ہے اُس کو چاہیے کہ اپنی تمام ان لغزشوں اور گناہوں کی جو اتنی عمر میں اس سے سرزد ہوئی ہیں اپنے نفس کے سامنے پیش کئے پھر ان سے ان نقائص کا مقابلہ کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والوں کے اندر اس کے علم میں ہیں تو غالب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائص معلومہ سے یقیناً زیادہ جانے گا، کیونکہ اکثر یہی قاعدہ ہے کہ احسان اپنے نقائص کو دوسرے کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے (بشرطیکہ سوچے) اور جو شخص گناہوں میں اپنے ہمنشین سے بڑھا ہوا ہو وہ مرتبہ میں بھی اس سے کمتر ہو گا۔ پس اب کیا حق ہے کہ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھے۔ اور بعض لوگوں کو جبکہ دوسروں کے گناہوں کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو یہ خیال کر لیا کرتے ہیں کہ اس کے بھی گناہ بہت ہوں گے (اگرچہ میں نہیں جانتا) لیکن کسی شخص کو جائز نہیں کہ صرف گمان اور تخمین سے اپنے پاس بیٹھنے والے کو

کثرتِ معاصی میں اپنے پر قیاس کر لے اور دل ہی دل میں یوں کہے کہ ایسے شخص سے یہ بات بعید ہے کہ خدا نے اس کو ان گناہوں سے محفوظ رکھا ہوگا جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بدگمانی ہے (اور یہ بدگمانی جائز نہیں) اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کرسی کو دوسرے کے عیوب اپنے عیوب سے زیادہ معلوم ہیں تب بھی اُس کو لائق یہی ہے کہ دوسرے کے عیوب پر نظر کرنا چھوڑ دے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوفِ خدا میں مشغول ہو۔ اگرچہ اپنے گناہ دوسرے کے گناہوں سے شمار میں کم ہی معلوم ہوں۔ کیونکہ ہر مکلف کو اپنے گناہوں کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ خوفِ خدا کو دل میں جگہ دینا دوسروں کے گناہوں کو شمار کرنے کی فکر میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کس بات پر مواخذہ کریں گے اور کس گناہ سے حشم پوشی فرمائیں گے۔ ممکن ہے خدا اُس کو معاف فرمائے اور تم سے مواخذہ کر لے۔

اور اس سے بھی ترقی کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فرض کر لو تمہارے اندر بہت سی خوبی ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں۔ اور دوسرے شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں بلکہ تمام عیوب موجود ہیں۔ جب بھی تم اپنے کو اس سے افضل نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے الاعمال بالتواضع کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہوتا ہے، تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ انہیں اعمال پر ہوگا یا تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ جو شخص اس وقت سراپا گناہ ہی گناہ ہے اُس کا خاتمہ اچھا ہو جائے اور تم سے مرتبہ میں بڑھ جائے۔ اور یہ خیال کر لینا چاہئے کہ جس خدا نے دوسرے کو نیک اعمال کی توفیق نہیں دی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ نیک اعمال کی توفیق تم سے سلب کر کے اس کو دیدے۔ بڑائی اور عظمت اللہ پاک کی ذات کیلئے زینبا ہے۔ بندہ کو عاجزی اور خاکساری ہی میں نجات ہے۔ تواضع اصل عبادت ہے کیونکہ عبادت غایتِ ذلت کو کہتے ہیں۔ پس اے عزیز! نفس کو ہر باس بیٹھے والے



مسلمان سے کمتر مشاہدہ کر۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ تجھ کو تیرے مسمروں پر بلندی عطا فرمائیں گے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے "من تواضع لله رفعه الله جوارحه کے لئے تواضع اختیار کرے خدا تعالیٰ اُس کو بلندی عطا فرمائیں گے۔"

حق تعالیٰ نے ہم کو اس واسطے اپنا بندہ نہیں بنایا کہ ہم اپنے آپ کو کسی بھی مخلوق سے ہنس سچا کریں بلکہ حق تعالیٰ نے اس سے ہم کو بہت سختی سے منع فرمایا ہے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرمایا ہے لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرۃ من کبر یعنی علیٰ احیہ المسلم۔



## اشکالات اور ان کا جواب

دیندار طبقہ پر جو اشکالات عموماً کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ باتیں لوگوں کیلئے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ وہ اس طبقہ کی اخلاقی پستی اور معاملات کی خرابی سے متعلق ہوتی ہیں۔

اس بابے میں طبقہ مذکور اور اشکالات کرنے والے دونوں فریقوں کی خدمت میں الگ الگ عرض کرنا ہے۔ دین دار حضرات کے سامنے تو زیادہ طویل کلام کی ضرورت نہیں کہ ان میں اکثر حضرات صاحب علم ہیں، وہ خود اس موضوع پر بہت اچھی تقریریں اور تصنیفات کر سکتے ہیں۔ ان سے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ اس رسالہ میں اکابرین کے ملفوظات اپنی ذات کے خاطر پڑھ کر ام الامراض کا فکر کریں، پھر نہ تو آپ کو کسی سے شکایت ہوگی نہ کوئی آپ پر اعتراض کرے گا۔ اور جو اس دیندار طبقہ میں صاحب علم نہیں ہیں وہ یہ ملحوظ رکھیں کہ کابل دین کے تقاضوں کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت اور اخلاق۔ ان کی اہمیت میں ترتیب مذکور کے باوجود آپس میں جوڑ ہے۔ مثلاً کوئی عقائد و عبادات میں پورا ہو لیکن معاملات میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے حرام کھانے اور حرام پہننے سے اس کی خشوع خضوع سے اہتمام سے پڑھی ہوئی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ کسی کے تین پیسے بھی پانے ذرہ رہ گئے ہوں تو اُس کے بدلے پانچ سو فرض قبول نمازیں دینا پڑیں گی۔ اس طرح تھوڑے سے پیسوں کے بدلے سارا قیمتی سرمایہ چلا جائے گا۔ اسی طرح اخلاقی خرابی میں مثلاً حسد ہے تو اس کی وجہ سے بڑی بڑی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا

ہے جیسے آگ سونکھی لکڑیوں کو۔ غیبت کرنے سے اپنی محنت سے کی ہوئی نیکیاں دوسرے کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اور ان کے ختم ہو جانے پر اس کے گناہ غیبت کرنے والے کے نامہ اعمال میں دوزخ ہو جاتے ہیں۔ یہی حال دیگر حقوق تلفی کا ہے، اور عقائد کی خرابی کے ساتھ تو کسی عمل خیر کا اعتبار ہی نہیں۔ یہ حضرات بھی اگر ام الامراض کا فکر کر لیں تو انشاء اللہ مکمل دین پر عمل کی توفیق اور توبہ ہو جائے گی۔

اب اشکال کرنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ پہلے اپنے اوپر ہونے والے مطالبات کے جواب کی فکر کریں، پھر اگر تفصیل مطلوب ہو تو حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب کے رسالہ ”الاعتدال“ کا مطالعہ کریں۔ اور جن کو اس کی توفیق نہ ہو تو وہ اسی رسالہ سے منقول مضمون ذیل مختصر امور کو غور سے پڑھیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اشکالات خواہ کسی بھی جماعت یا طبقہ کے متعلق ہوں ان میں اکثر کی بنا، غلط فہمی، سستی سستی باتوں پر یقین کر لینا اور بظنی وغیرہ ہوتی ہے۔ یہاں اس نوع کا ذکر مقصود نہیں بلکہ حقائق اور واقعات کے پیش نظر کچھ عرض کرنا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم الاعتدال میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کیا ہر شخص جو اہل علم کے لباس میں ہو، کسی عربی مدرسہ میں طلباء کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو یا تقریر دل چسپ کرتا ہو یا تحریر اچھی لکھتا ہو وہ عالم ہے اور علماء کی جماعت کا فرد ہے؟ اس لئے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سن کر علماء کی طرح منسوب کر دینا ظلم (اور اپنی جمالت) نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا کھرا کھوٹا، اصلی جعلی، واقعی مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے۔ دیکھو دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جوہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم و ڈاکٹر کا پیشہ ہے۔ تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو، یا واقعی

سے مصنوعی بڑھے مجھے نہ ہوں تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے کالیاں دیجاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی اور خطرہ جان طلبیب زیادہ ہیں۔ یا ہر سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ہوتے ہیں نہیں بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں شہور اور واقف طلبیب میسٹر نہیں ہوتا تو وہاں جان بوجھ کر ایسے ہی طلبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طلبیب حاذق کے پاس فوز اپنی پنچائشکل ہے۔ یہ فرق اس واسطے ہے کہ علاج کو ضرورت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کو واقعی دینی ضرورت ہے، مثلاً کوئی مسئلہ پوچھنا ہے یا بیعت ہونا ہے تو چھان بین کر کے تلاش کریں ابھی تک دنیا خالی نہیں، آپ کی مناسبت اور عقیدت کا کوئی نہ کوئی آدمی مل ہی جائے گا۔

۳ اور اگر آپ کو کوئی معاملہ نہیں کرنا محض دوسروں کی دینی خیر خواہی اور دنیا کے طبقہ کی بد حالی کے درد سے تبصرہ فرمانا ہے تو یقین کر لیں کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اپنے سے بے فکری کی علامت ہے، آپ پر اتم الامراض کا حملہ ہے۔ اپنے آپ کو پاک تو کوئی نہیں کہتا بلکہ بھوٹی زبان سے سب کہتے ہیں کہ ہم تو سب بڑے ہیں، گناہگار ہیں، مگر ان بزرگ حضرات پر فلاں اشکال حیران و پریشان کئے ہوئے ہے۔ اگر سچائی سے کوئی اپنے کو بھی گناہگار سمجھے تو سائے اشکال و حیرانی ختم ہو جائے

ہوئی جب تک اپنی نہ خبر ہے دیکھتے اوروں کے عیب ہنر  
 پڑی اپنے گناہوں پہ جبکہ نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا  
 حدیث پاک میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر  
 غفاری رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ تمہارا اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں سزوں  
 کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔

بڑا کچھ حضرات واقعی اخلاص سے صورتِ حال پر حیران ہوں گے، ان کے دلینا کے لئے کچھ وضاحت بھی کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہ، 'الاعتدال' میں فرماتے ہیں کہ "تغیر زمانہ کا اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے تو اہل علم اس سے باہر کیسے جاسکتے ہیں۔ زمانہ جتنا بھی زمانہ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اتنے ہی فتنے و شرور اس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف و انحطاط کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہل علم کے لئے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔ جب قولے جسمانیہ کا ذکر آجائے ہر شخص کہتا ہے اچی وہ تو تیں اب کہاں ہیں۔ لیکن جب قولے روحانیہ، مجاہداتِ علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنید، شبلی، بخاری، غزالی کے اوصاف کا طالب بن کر خواہشمند بن جاتا ہے حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ برانہ ہو، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔"

مناوی کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں۔

علفمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہ آئیگا جو علم کے اعتبار سے گذشتہ دنوں سے کم نہ ہو۔ اور جب علماء نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا حکم کرنے والا اور بُری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا تو اُس وقت سب ہی ہلاک ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ صلحاء ایک ایک ہو کر اٹھ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جو اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوئی) کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں گے۔ اس لئے دین اور دینی امور کا انحطاط، کمی ضعف تو سب ہی کچھ ہو کر رہے گا، ایسی حالت میں صلاح و فلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے اس کو مستقیم سمجھنا ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

(الاعتدال)

اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس وقت دین کے وجود اور قیام کا انحصار ملازس، مساجد، خانقاہوں کی آبادی، تبلیغی اداروں اور جماعتوں کے وجود پر ہے اور ہر شعبے میں مزید ترقی و توسیع کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام صرف دوچار معیاری تنظیموں کی ذات سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اس لائن کے ہزاروں خدام دین اور ان کے ہزاروں معاونین کی ضرورت ہے۔ ایک طبقہ نے اپنے کو اس کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب معیاری نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ سب حضرات اپنے ناقص ہونے کی بنا پر دینی خدمات چھوڑ دیں تو مذکورہ تمام سلسلے بند ہو جائیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان حضرات کی کوتاہیوں پر نظر کرنے کی بجائے ان کی عزت اور جوسلہ افزائی کرنا چاہیے اور اللہ سے امید کرنا چاہیے کہ وہ کریم ان کی حسنات و خدمات کو قبول فرما کر ان کی تقصیرات سے درگزر فرمائیں گے۔

**حضرت شیخ الحدیث صاحبِ قدس سرہ فرماتے ہیں:-**

کہ آدمی کو اپنی فکر میں ہر وقت مشغول رہنا چاہیے، دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ خاص طور سے اکابر کے جو معتمد مقتدی و علماء ہوں ان کے اقوال و افعال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ خلاف شرع میں اتہاع کسی کا نہیں لیکن ان کے

اقوال و افعال کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ مجھ سے چند سالوں سے ایک لغو سوال کثرت سے خطوط میں کیا جا رہا ہے کہ فلاں حضرت نے فلاں کو کیوں اجازت بیعت دے دی؟ میں تو ان لغویات کا جواب اکثر یہ دیا کرتا ہوں کہ جب قبر میں منکر نکیر تم سے یہ سوال کیگے تو تم بے تکلف کہہ دینا کہ مجھے خبر نہیں۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ اور عجب، پسندار اور دوسروں کی تحقیر، تنقیص یہ نہایت خطرناک امور ہیں۔“ (آپ بیتی، ۵)

سالکان راہ حق کے بلے میں حضرت شاہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جو کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صراطِ مستقیم میں مرتب فرمائے ہیں:-

اس میں ہے کہ بخل، حسد، تکبر، غیبت، کینہ، ریا، طمع جیسی بد عادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آوہ ہو جانا ان پر رحمانی فیض کے نازل ہونے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے سے محرومی کا بڑا قوی سبب ہے۔ سلف صالحین ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور ان کے دل صاف ہو جاتے اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے تھے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے جو محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی واسطے عمل میں لاتے، مقبول ہو جاتے۔ اور جو شخص سلوک کے مراتب طے کرنے کے باوجود آثار عنایت کا مورد نہ بنے تو بے شک ان تمام رذائل یا بعض کے آثار اس میں موجود ہوں گے۔ پس ان رذائل کا وجود عنایاتِ الہی کے دود کا مانع ہے۔“

(پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گذر چکا کہ تمام رذائل کا خلاصہ تکبر ہے اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دود ہو جاتے ہیں) آگے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

”پس اس زمانہ کے لوگوں کے مناسب حال یہ ہے کہ معرفتِ الہی کی طرف پہنچنے کے واسطے

جس طرح شغل اور مراقبہ کرتے ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہِ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے راستے سے نہیں بلکہ ایک اور دروازہ سے پہنچتے ہیں جمالِ قبول اور ناقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے۔

ردائل مذکور سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مرتین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی مشہار توں سے بچ کر اس مقام میں پہنچنا ممکن نہیں اور ان بد عادتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو مقامِ مقصود (قبولیت) پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک خاص اجتہاد حاصل ہو جاتا ہے کہ اعمال کی کثرت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب کر دیتا ہے۔

آگے چل کر اس اتم الامراض (تکبیر) کے علاج کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نسبت تکبیر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کیے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کی وجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کی نقلیں ہوں اور اپنے ہم جلسوں میں اس پر ہی اڑے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور

۵۔ چنانچہ اگر کسی کو کثرتِ ذکر سے ملکہ یا دداشت اور دیگر احوالِ ذبیحہ حاصل ہو جائیں مگر تواضع حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو ابھی تعلق باللہ یا نسبت معتبرہ یعنی قبول حاصل نہیں ہوا۔ البتہ یہ ممکن ہے بلکہ آجکل ایسا ہی ہوتا ہے کہ اخلاق کی درستگی سے پہلے اشغالِ دنیویہ سے وصول یا ایک گوند نسبت حاصل ہو جاتی ہے، پھر اخلاق کی درستگی آسان ہو جاتی ہے۔ تکبیر کا ختم ہونا تقویٰ تواضع کا پیمانہ ہونا شرط ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو یہ احوالِ قبولیت کی علامت نہ ہوں گے، کیونکہ جبکہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کو اپنی رحمت سے یاد فرماتے ہیں تو اس کے ردائل در فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بندہ کو محبت کے ساتھ اپنے مالک کی حضوری حاصل ہوگی تو وہ سراپا تواضع بن جائے گا اور یہی حقیقی بزرگی ہے اور جو شخص محض احوالِ ذبیحہ پر اپنی بزرگی خود ثابت کئے وہ اسی قدر ذلیل ہوگا۔



اپنے آپ کو اُس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پرواہ نہ کرے گا تم دیکھتے نہیں کہ معرذہ امیر زادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں جن کو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارا نہیں کرتا دل و جان سے قبول کئے انہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں کے سامنے پھرا کرتا ہے۔ اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو عقل اور شریعت کے باکل موافق ہیں۔ گو مرضیاتِ الہی سے بے خبر لوگوں کی ناقص عقولوں کے مخالف ہوں۔ اور تذلل سے بھی یہ بناؤٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین پُوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام میں اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جُدا اور علیحدہ ہے۔ مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی پر نسبت تکبر کیا ہو تو اُس کو چاہئے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کئے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے، اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پُورا کیا ہے۔

### ”اللہ تعالیٰ سے ملنے کا قریب تر راستہ“

ملفوظ حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ:۔ فرمایا ”دوستو! میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہ چھوڑا جس کو ملے نہ کیا ہو۔ اور صدق نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اسکا صحیح راستہ ہونا معلوم نہ کر لیا ہو مگر سنتِ محمدی پر عمل کرنے اور ذلتِ انکاری والوں کے اخلاق پر چلنے اور سراپا حیرت و احتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب زیادہ روشن اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب نہیں پایا۔ صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے اُس نے اپنے ہاتھ بچھنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا کیونکہ عاجزی تو ہر شخص کی سالی سے حاصل کر سکتا ہے کہ انسان تو سر سے پیر تک عاجزی ہی ہے۔ اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اسکے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے پنے سے اپنی عاجزی اور کمزوری کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کو پالینا ہے۔“ (البنیان) واللہ الموفق وهو المستعان۔ محمد اقبال ۱۲ ژانوال ۱۳۲۹ھ

# تصنیفات عالیہ تالیفات مبارکہ

بزرگہ العصر و قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی (۱) اپنی تصانیف (۲) اور وہ تصانیف جو حضرت والا کے اعتنا میں امر میں حضرت والا کی خواہش کے مطابق حضرت والا کے معتمدین نے حضرت والا کے خزینہ علم سے استفادہ کرتے ہوئے لکھیں :-

- |  |                                   |
|--|-----------------------------------|
| ۱۲- فضائل صدقات - حصول                                       | ۱- تاریخ مشائخ چشت                |
| ۱۳- فضائل صدقات - حدود و کم                                  | ۲- فضائل نبوی شرح مشائخ تہذیب     |
| ۱۴- فضائل تجارت  | ۳- حکایات صحابہؓ                  |
| ۱۵- فضائل عربی زبان  | ۴- فضائل ذکر                      |
| ۱۶- موت کی یاد   | ۵- فضائل نماز                     |
| ۱۷- تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات | ۶- فضائل قرآن مجید                |
| ۱۸- مکتوبات شیخ بنام اکابرین                                 | ۷- فضائل رمضان                    |
| ۱۹- مکتوبات تصوف   | ۸- اکابر کا رمضان میں فضائل رمضان |
| ۲۰- مکتوبات علمیہ  | ۹- فضائل تبلیغ                    |
| ۲۱- معارف الشیخ  | ۱۰- فضائل درود شریف               |
|  | ۱۱- فضائل حج                      |

۲۲- کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات

۲۳- الاعتدال فی مراتب الرجال

المعروفہ اسلامی سیاست

۲۴- خوان خلیل (ضمائم)

۲۵- قرآن مجید اور جبرئیل تعلیم

۲۶- حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ

۲۷- تقریر بخاری شریف

۲۸- آپ بیتی (اول تا ساتھ)

۲۹- تاریخ مظاہر العلوم

۳۰- مقدمہ ارشاد الملوک

۳۱- مقدمہ اکمال الشیم

۳۲- دارھی کا وجوب

۳۳- اختلاف الائمہ

۳۴- رسالہ اسٹرانگ

۳۵- شریعت و طریقت کا تلازم

۳۶- اکابر علماء دیوبند

۳۷- فتنہ مودودی

۳۸- نسبت و اجازت

۳۹- تحفہ الاخوان فی بیان احکام تجویذ القرآن

۴۰- نصاب حج و مکتوب گرامی

۴۱- تین مکتوب (اضافات مفیدہ)

۴۲- معمولات رمضان

۴۳- مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

۴۴- ملفوظات

۴۵- حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی بیوی

۴۶- سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

۴۷- سوانح حضرت مولانا محمد ہارون صاحب

۴۸- تذکرۃ الخلیل

۴۹- فتاویٰ خلیلیہ

۵۰- حیات خلیل

۵۱- تکملہ الاعتدال فی مراتب الرجال

۵۲- انعام الباری شرح اشعار البخاری

۵۳- وصایا امام اعظم ابوحنیفہ

۵۴- مکتوبات شیخ الاسلام بسلسلہ مودودی

۵۵- حقوق الوالدین

۵۶- فضائل صحابہ

۵۷- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بخاری

اور تبلیغی جماعت

۵۸- سفرنامہ افریقہ

۵۹- حضرت شیخ کی دینی فکر

۶۰- سوانح حضرت شیخ از مولانا علی میاں

۶۱- الفرقان خصوصی نمبر حضرت شیخ

\* بیعت کے بعد

\* پرچہ معمولات

- ۶۲- اکابر کا تقویٰ  
 ۶۳- آداب المحرمین  
 ۶۴- ابتدائی اذکار و اشغال بڑے  
 متوسلین حضرت شیخ رء  
 ۶۵- فیض شیخ  
 ۶۶- مختصر الحروب الأعظم  
 ۶۷- أتم الامراض  
 ۶۸- ذکر واعتراف کی اہمیت (مجموعہ رسائل)  
 ۶۹- محبت (ہدیہ لائین بنامہ)  
 ۷۰- کتاب الصلوٰۃ  
 ۷۱- حضرت اقدس کے وصال کے بعد  
 ۷۲- محبوب العارفين  
 ۷۳- ہجرت القلوب فی مبشرات الہی  
 المحبوب صلی اللہ علیہ وسلم  
 ۷۴- فضائل النصار  
 ۷۵- فضائل لباس (اردو)  
 ۷۶- فضائل لباس (انگریزی)  
 ۷۷- حضرت شیخ آبراہیم سنت کی دعوتیں  
 ۷۸- " " " " (انگریزی)  
 ۷۹- مجالس ذکر  
 ۸۰- مقالۃ القلوب
- ۸۱- اکابر سلوک و احسان  
 ۸۲- بیعت کی شرعی حیثیت  
 ۸۳- انوار الصلوٰۃ  
 ۸۴- تنویر الابصار (اردو)  
 ۸۵- شجرہ نقشبندیہ مع طریقہ ذکر نضی  
 ۸۶- تنقید حق تنقید  
 الانصاف فی حدود الاختلاف (اردو)  
 \* عربی تصانیف \*  
 ۸۷- بذل الجہود فی حل سنن ابی داؤد  
 ۸۸- الکوکب الہدی علی جامع الترمذی  
 ۸۹- لامع الدراری علی جامع البخاری  
 ۹۰- اوجز المسالک الی مؤطا امام مالک  
 ۹۱- الابواب و التراجم للبخاری  
 ۹۲- الحل المفہم لصحیح مسلم  
 ۹۳- جزو حجۃ الوداع و عمرات الہی صلی اللہ علیہ وسلم  
 ۹۴- الحظ الاوفی فی الحج الاکبر  
 ۹۵- الشریعۃ والطریقۃ  
 ۹۶- وجوب اعفاء اللعۃ  
 ۹۷- اہمیتہ التصوف و السلوک فی الاسلام  
 ۹۸- الاتاذ المہودوی و تملیح بحوثہ و افکارہ  
 ۹۹- شیخ محمد الیاس و دعوتہ الدینیۃ